فاستبقوا الخیرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

اگست ۱۹۶۴ء

چندہ سالانہ ۵ روپے

فی پرچہ ۵۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

ادارۂ تحریر

ایڈیٹر:- رفیق احمد ثاقب — نائب:- لطف الرحمن محمود

شمارہ ۱۰	اگست سنہ ۱۹۶۴ء	ظہور ۱۳۴۳ ہش	جلد ۱۰

مندرجات

* اس صفحہ کا نمبر رسالہ کے اندر غلطی سے ۳۲ درج ہو گیا ہے۔ قارئین اس صفحہ نیز اگلے سات صفحات کے نمبر درست فرما لیں۔

(سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

"خالد" کا آئندہ شمارہ

خلافتِ ثانیہ نمبر

ہوگا۔جو انشاء اللہ العزیز اوائل اکتوبر میں قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا۔اس خاص شمارہ میں خلافتِ ثانیہ کے مبارک عہد میں گزشتہ پچاس برس کے دوران جماعت کی مختلف جہات سے ترقی کا بھرپور جائزہ لیا جائے گا۔نیز سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذات والاصفات کے بارہ میں مختلف تاثرات بھی پیش کئے جائیں گے۔

اس شمارہ کے لئے مقررہ عناوین پر جماعت کے متعدد ذہین اور اہلِ قلم حضرات مضامین لکھ رہے ہیں۔دیگر احباب کو بھی شمولیت کا موقع دینے کی خاطر ایک عنوان تجویز کیا گیا ہے جس پر قلم اٹھانے کی سب احباب کو کھلی دعوت ہے۔وہ عنوان ہے:"سیدنا محمود ایدہ اللہ مجھے کیوں محبوب ہیں؟" اس عنوان کے تحت احباب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات بیان کر سکتے ہیں جن میں حضور کی ان کے لئے ذاتی توجہ، آپ کی خصوصی نوازشوں اور قبولیتِ دعا کے ایمان افروز واقعات وغیرہ کا مؤثر رنگ میں مختصراً ذکر کیا جائے۔یہ مضامین زیادہ سے زیادہ ۲۵ اگست تک ایڈیٹر خالد کو مل جانے چاہئیں۔شعراء کرام بھی اسی تاریخ تک اس خاص نمبر کے لئے اپنی نظمیں وغیرہ بھجوا دیں!

توقع ہے کہ رسالہ کی ضخامت قریباً ڈیڑھ صد صفحات تک جا پہنچے گی۔متعدد نادر اور قیمتی تصاویر سے بھی رسالہ مزین ہوگا۔الغرض یہ پرچہ اپنی معنوی و صوری خوبیوں کی بنا پر ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔اسلئے اس کی بہت کثیر تعداد میں اشاعت ہونی چاہیئے۔نیز اس پر کئے جانے والے زائد اخراجات پورے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے کاروباری اصحاب اس میں اپنے اداروں کے اشتہارات بھجوائیں۔بڑے شہروں مثلاً کراچی، لاہور، راولپنڈی، لائل پور، حیدرآباد، پشاور وغیرہ کے قائدین مجالس سے ہم خاص طور پر توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس خاص نمبر کے لئے مختلف فرموں سے زیادہ سے زیادہ مالیت کے اشتہارات حاصل کر کے بھجوائیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سے تعاون کرنیوالے سب دوستوں کو جزائے خیر دے۔آمین۔

نوٹ:۔ (۱) خاص نمبر کی وجہ سے ستمبر کا پرچہ علیحدہ طور پر شائع نہ ہو سکے گا بلکہ اکتوبر کے شمارہ میں ہی مدغم ہوگا۔خریدار اصحاب اور ایجنٹ صاحبان مطلع رہیں۔(۲) خاص نمبر کے زائد پرچے حاصل کرنے کے لئے ۱۵ ستمبر تک مینیجر خالد کو آرڈر بک کروا دیئے جائیں۔ (ادارہ)

اداریہ

خدام الاحمدیہ کا نصب العین

مضبوط و مربوط جماعتی نظام موجود ہوتے کے باوجود سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے جماعت کے جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی سب الگ الگ تنظیمیں قائم فرمائی ہیں۔ اس میں بعض خاص مقاصد اور نہاں در نہاں حکمتیں آپ کے پیش نظر تھیں۔ جماعت کے ان چاروں طبقات کی تنظیمیں اپنی اپنی جگہ نہایت درجہ اہم ہیں۔ ان کا باہمی موازنہ مقصود نہیں مگر اس حقیقت سے بھی اغماض نہیں برتا جا سکتا کہ کسی بھی قوم کی قوت و شوکت اور مضبوطی کا انحصار زیادہ تر اسکے نوجوانوں پر ہی ہوتا ہے۔ نوجوان ہی قوم کا زیادہ فعال حصہ ہوتے ہیں۔ انہی کے دم قدم سے قومیں سنورتی ہیں اور انہی کے باعث بگڑ سکتی ہیں۔ سو ضروری تھا کہ ہمارے بیدار مغز امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز احمدی نوجوانوں کی تربیت کا خصوصی اہتمام فرماتے تا وہ جماعت کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید وجود بن سکیں۔ مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں :-

"مجلس خدام الاحمدیہ کا نظام میں نے الگ بنا دیا ہے اور ان کا الگ مرکز قائم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نوجوان اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہو جائیں۔ ان میں خود کام کرنے کی اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کی عادت پیدا ہو جائے"۔ (الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۴۲ء)

حضور چاہتے تھے کہ احمدی نوجوانوں کی تربیت اس رنگ میں کی جائے کہ وہ احمدیت کا بہترین نمونہ بن سکیں۔ انکے ہر کام میں باقاعدگی ہو۔ وہ عبادات میں بھی ایک نمونہ ہوں، وہ اخلاق میں بھی ایک نمونہ ہوں، وہ افعال و اقوال میں بھی دوسروں کیلئے مثال بن سکیں۔ ان کی سچائی اور دیانت کی قسم کھائی جا سکے۔ غرض وہ ہر حال میں دوسروں کی راہبری کر سکیں اور بیرونی اثرات سے جماعت کو محفوظ و مامون رکھ سکیں۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں :-

"خدام الاحمدیہ کا قیام بھی اسی لئے کیا گیا ہے کہ بچپن اور نوجوانی میں بعض لوگ بیرونی اثرات کے ماتحت کمزور ہو جاتے ہیں اور اُن میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ دوسری سوسائٹیوں سے بُرا اثر قبول کر لیتے ہیں اور بعض تربیت کے نقائص کی وجہ سے آوارگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ اس بیرونی تغیر کو جماعت احمدیہ میں دخل نہ ہونے دیں اور اس مقصد کو ہمیشہ نوجوانوں کے سامنے رکھیں جس کے پورا کرنے کیلئے جماعت احمدیہ قائم کی گئی ہے۔ اگر نوجوانوں میں یہ روح پیدا کر دی جائے تو پھر بیشک شرارت کرنے والے شرارت کرتے رہیں خواہ اپنے ہوں یا غیر وہ سب ناکام رہیں گے"۔ (تقریر ۲۶ دسمبر ۱۹۵۴ء)

مجلس خدام الاحمدیہ کی اہمیت حضور کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہے جو گویا کم ہمت لوگوں کے لئے ایک تنبیہہ بھی ہے۔ حضور فرماتے ہیں :-

"خدام الاحمدیہ کے وہ ممبر جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدام الاحمدیہ دوسری انجمنوں کی طرح ایک انجمن ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ انہیں اس میں شامل رکھا جائے۔ اسی طرح وہ ممبر جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک کمیٹی بنا کر سلسلہ کی خدمت کا جزوی طور پر کچھ کام کر لیں گے وہ بھی اپنے کام کی اہمیت اور اس کی عظمت سے بالکل ناواقف ہیں"۔

پھر خدام الاحمدیہ کو جہاں اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے وہاں حضور نے یہ تنبیہہ بھی فرما دی ہے کہ تم نے اپنی تنظیم کو جماعت کی مضبوطی اور یکجہتی کا موجب بنانا ہے اور کسی بھی طور پر تفرقہ اور اختلاف کا باعث نہیں ہونا۔ الغرض بڑی ہی تفصیل اور وضاحت سے ہمارے پیارے امام نے ہر نوع کے پیش آمدہ مسائل کے بارہ میں ہمیں اپنی قیمتی ہدایات سے نوازا اور ہمارے لئے ایک معین لائحہ عمل تجویز فرما دیا ہے جس میں خدا تعالیٰ اور اسکے دین اور اسکی جمیع مخلوق ہر ایک کے حقوق کو پورا پورا ملحوظ رکھا گیا ہے۔ الحمد للہ کہ مجلس خدام الاحمدیہ حضور ایدہ اللہ کے تجویز کردہ لائحہ عمل پر پورے طور پر کاربند ہے اور خدا کے فضل و کرم سے مختلف جہات سے نہایت تیزروی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تیزروی کے دوران ہم اس امر کی نگرانی سے کبھی غافل نہ ہوں کہ ہماری صفوں میں کسی قسم کی کجی یا انتشار نہ واقع ہو جائے اور جماعت کے باقی طبقات سے ہمارا تعلق اسی طرح مضبوط و مربوط رہے۔ ہر ایک کی جانب ہمارا دستِ تعاون بدستور دراز رہے اور باہم یکجہتی اور جماعت کی مضبوطی کے لئے ہم سرگرمِ عمل رہیں اور کسی دم اپنے نصب العین سے غافل نہ ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی جادۂ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احمدی اُٹھ کہ وقتِ خدمت ہے!

مخلوقِ خدا کی ہمدردی، خدمت اور بھلائی ابتداء سے خدام الاحمدیہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ مجالس کی رپورٹوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہ کسی دم اپنے اس اہم فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہوئیں لیکن بعض حالات ایسے پیش آجاتے ہیں جب یہ کام عام ایام سے کہیں زیادہ توجہ چاہتا ہے۔ آجکل مغربی و مشرقی پاکستان کے ایک کثیر علاقہ میں سیلاب کے باعث کچھ ایسے ہی حالات درپیش ہیں۔ گزشتہ دنوں سابق سندھ کے علاقہ میں جو قیامت خیز طوفان آیا خدام الاحمدیہ اس میں بڑھ چڑھ کر ستم رسیدہ لوگوں کی مدد کیلئے آگے آئی۔ اب ملک کے بہت سے اور علاقوں میں سیلاب کا خطرہ ہے اس لئے جملہ مجالس کو تاکید ہے کہ ابھی سے ان سیلابوں کے مقابلہ کیلئے اپنے آپ کو تیار کر لیں اور وقت آنے پر بلا لحاظ مذہب و ملت خدمتِ خلق کا بہترین نمونہ دکھائیں۔!

ہمارا سالانہ اجتماع

جملہ خدام کی آگاہی کے لئے تحریر ہے کہ ہمارا مرکزی سالانہ اجتماع امسال ۲۳-۲۴-۲۵ اکتوبر کو مرکز ربوہ میں منعقد ہو رہا ہے۔ ہمارا یہ اجتماع خدا کے فضل سے بے شمار برکات کا حامل ہوتا ہے اور تربیتی لحاظ سے بے حد مفید۔ پس زیادہ سے زیادہ خدام کو اس میں شرکت کے لئے آنا چاہیئے اور ابھی سے اس کی نیت اور ضروری تیاری شروع کر دینی چاہیئے۔ تفصیلی پروگرام اور ضروری ہدایات، دفتر مرکزیہ کی طرف سے مجالس کو عنقریب بھجوا دی جائیں گی۔

معارف القرآن الحکیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(آل عمران : ۲۰۰)

اے ایمان دارو! صبر سے کام لو اور (دوسروں سے) بڑھ کر صبر دکھاؤ اور سرحدوں کی نگرانی رکھو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا تم کامیاب ہو جاؤ۔

تشریح :- اس آیت میں مومنوں کو بعض نہایت ہی قیمتی نصائح فرمائی گئی ہیں وہ نصائح یہ ہیں :- اصبروا، صابروا، رابطوا، اتقوا اللہ مسلمانوں کو ان پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ہی کامیابی حاصل ہو گی۔

اِصْبِرُوْا کے مفہوم کے لحاظ سے کئی معانی ہو سکتے ہیں مثلاً (ا) تم گھبرانا نہیں یقین رکھنا کہ تم کامیاب ہو گے۔ کیونکہ اِنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (ب) راستہ کی روکوں سے نہ ڈرنا (ج) ذرائع کامیابی اختیار کرنے میں سستی نہ ہو جانا۔

صَابِرُوْا : یعنی (ا) آپس میں معاملہ صبر کا کرنا۔ ایک دوسرے کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنا (ب) ایک دوسرے سے صبر میں بڑھنے کی کوشش کرنا۔

رَابِطُوْا - یہ لفظ ربط سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں اس نے کسی چیز کو باندھا یا مضبوط کیا۔ رَبَطَ جَاشَهٗ : اس نے اپنے دل کو مضبوط کیا۔ رَبَطَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ : خدا تعالیٰ نے صبر اور استقلال کے ساتھ اسکے دل کو مضبوط کیا۔ رَابَطَ الْاَمْرَ : اس نے اپنے دل کو لگاتار کام میں لگایا۔ رَابَطَ الْفَرِیْقَانِ : فریقین نے اپنی سرحدوں پر اپنے گھوڑے ایک دوسرے کے خلاف تیاری کے طور پر باندھے۔

لغت کے مطابق رابطوا کے معنے ہوں گے لڑائی میں دشمن کا مقابلہ کرنا یا تیاری کے طور پر سرحد پر گھوڑے باندھنا یا اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہو جانا یا اوقات نماز کا خیال رکھنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "جس طرح دشمن کے مقابلہ میں سرحد پر گھوڑا باندھنا ضروری ہے کہ وہ حد سے نکلنے نہ پائے اسی طرح اسلام کی حمایت اور خدمت اور اس کے دفاع کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مسلمان خود تقویٰ اور طہارت اختیار کریں تاکہ وہ خود خدا تعالیٰ کے حصن حصین میں آ سکیں .... اپنے اخلاق و اطوار ایسے نہ بناؤ جن سے اسلام کو داغ لگ جاوے بدکاروں اور اسلام کی تعلیم پر عمل نہ کرنیوالے مسلمانوں سے اسلام کو داغ لگتا ہے"۔

احادیث النبی صلے اللہ علیہ وسلم

مسلمانوں کا ایک دوسرے پر حق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس کی خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کی مدد چھوڑے۔ ایک مسلمان کی سب چیزیں دوسرے پر حرام ہیں۔ یعنی اس کی آبرو، اس کا مال، اس کا خون۔ یہی تقویٰ ہے...... نیز فرمایا کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ (مسلم)

مرتبہ کے مطابق سلوک

حضرت میمون بن ابو شیبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا۔ انہوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا۔ آپ نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اس کے بارہ میں آپ سے جب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق سلوک کرو۔ (مسلم)

عشقِ رسولؐ اور فقر

حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں آپؐ نے فرمایا دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اُس نے کہا مجھے خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور یہ بات اُس نے تین دفعہ دوہرائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تُو مجھ سے محبت رکھتا ہے تو فقر کیلئے تیار ہو جا۔ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اس کی طرف فقر اتنی جلدی آتا ہے کہ سیلاب بھی اتنی جلدی اپنے منتہا کو نہیں جاتا۔ (ترمذی)

بھوکے بھیڑیے اور حرص

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو بھیڑیے بھوکے بکریوں پر چھوڑے گئے انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا آدمی کے دین کو اس کی حرص جو مال اور فضیلت کے حصول کے لئے رکھی جائے۔ (ترمذی)

اہل و عیال کا نان و نفقہ

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے عیال پر ثواب کی نیت سے کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ اس کیلئے صدقہ ہے۔ (ترمذی)

قرآن مجید اور حدیث کا اصل مقام اور مرتبہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں

(مرسلہ :۔ مکرم عبد الشکور صاحب اسلم ایم۔ اے ایس سی۔ ربوہ)

نوٹ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مابین قرآن و حدیث کے مقام کے بارہ میں مباحثہ ہوا تھا۔ اس مباحثہ کے ہر دو فریق کو غلطی پر جانتے ہوئے حضور علیہ السلام نے ایک مختصر رسالہ بنام "ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی" تحریر فرمایا جس میں آپ نے قرآن مجید اور حدیث کے صحیح مقام و مرتبہ کو نہایت لطیف رنگ میں واضح فرمایا اور صراطِ مستقیم کی تعیین فرمائی ہے مضمون کی اہمیت کے پیش نظر حضور کی اس تصنیفِ لطیف کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ خلاصہ نکالتے ہوئے اگرچہ اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ تمام الفاظ حضور کے اپنے ہی استعمال کئے جائیں اور مفہوم بھی صحیح طور پر ادا ہو جائے تاہم اس امر کی وضاحت کر دینا لازم ہے کہ سطورِ ذیل حضور کی تحریر کا خلاصہ ہیں اصل نہیں۔

"مولوی عبداللہ صاحب احادیث نبویہ کو محض ردی کی طرح خیال کرتے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب نے ان کے مقابل پر یہ حجت پیش کی تھی کہ اگر احادیث ایسی ہی ردی اور لغو اور ناقابلِ اعتبار ہیں تو اس سے اکثر حصے عبادات اور مسائل فقہ کے باطل ہو جائیں گے کیونکہ احکام قرآنی کی تفاصیل کا پتہ حدیث کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان ہر دو فریق میں سے ایک فریق نے افراط کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور دوسرے نے تفریط کی۔

مولوی محمد حسین صاحب اگرچہ اس بات میں سچ پر ہیں کہ احادیثِ نبویہ مرفوعہ متصلہ ایسی چیز نہیں ہیں کہ اُن کو ردی اور لغو سمجھا جائے لیکن وہ **حفظِ مراتب** کے قاعدہ کو فراموش کر کے احادیث کے مرتبہ کو اس بلند مینار پر چڑھاتے ہیں جس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے اور حدیث کے قصہ کو ان قصوں پر ترجیح دیتے ہیں جو کتاب اللہ میں بتصریح موجود ہیں اور حدیث کے بیان کو کلام اللہ کے بیان پر ہر ایک حالت میں متقدم سمجھتے ہیں یہ صریح غلطی اور جادۂ انصاف سے تجاوز ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ یعنی

خدا اور اس کی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لائینگے۔ اس جگہ حدیث کے لفظ کی تنکیر جو فائدہ عموم کا دیتی ہے صاف بتلا رہی ہے کہ جو حدیث قرآن کے معارض اور مخالف پڑے اور کوئی راہ تطبیق کی پیدا نہ ہو اُس کو رد کر دو۔ غرض یہ فرقہ اہل حدیث اِس بات میں افراط کی راہ پر قدم مار رہا ہے کہ قرآنی شہادت پر حدیث کے بیان کو مقدم سمجھتے ہیں۔

اور ان کے مخالف مولوی عبد اللہ صاحب نے تفریط کی راہ پر قدم مارا ہے جو سرے سے احادیث کا انکار کر دیا ہے۔ اور احادیث سے انکار ایک طور سے قرآن شریف کا بھی انکار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے اور آنجناب کے عملی نمونوں کی دریافت کے لئے جن پر اتباع موقوف ہے حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص حدیث کو چھوڑتا ہے وہ طریقِ اتباع کو بھی چھوڑتا ہے اور مولوی عبد اللہ صاحب کا یہ قول کہ تمام حدیثیں محض شکوک اور ظنون کا ذخیرہ ہیں یہ قلتِ تدبر کی وجہ سے خیال پیدا ہوا ہے اور اس خیال کی اصل جڑ محدثین کی ایک غلط اور نامکمل تقسیم ہے جس نے بہت سے لوگوں کو دھوکا دیا ہے کیونکہ وہ یوں تقسیم کرتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں ایک تو کتاب اللہ ہے اور دوسری حدیث۔ اور حدیث کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ گویا احادیث ایک قاضی یا جج کی طرح کرسی پر بیٹھی ہیں اور قرآن اُن کے سامنے ایک مستغیث کی طرح کھڑا ہے اور حدیث کے حکم کے تابع ہے۔ یہ غلطی ہے جس نے اکثر لوگوں کو ہلاک کیا۔

صراطِ مستقیم یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لئے تین چیزیں ہیں۔

(۱) **قرآن شریف** جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔

(۲) دوسری **سُنّت**۔ سُنّت سے مراد آنحضرتؐ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتدا سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیلِ الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔

(۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا **حدیث** ہے۔ اور حدیث سے مراد وہ آثار ہیں کہ جو قصّوں کے رنگ میں آنحضرتؐ سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ پس سُنّت اور حدیث میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ سُنّت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرتؐ نے

اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب
میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے۔
اور جس طرح آنحضرت قرآن شریف کی اشاعت
کے لئے مامور تھے ایسا ہی سُنّت کی اقامت
کے لئے بھی مامور تھے۔ یہ دونوں خدمات
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے
بجا لائے اور دونوں کو اپنا فرض سمجھا۔ مثلاً
جب نماز کے لئے حکم ہوا تو آنحضرت ؐ نے
خدا تعالیٰ کے اس قول کو اپنے فعل سے کھولکر
دکھایا اور عملی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ فجر کی
نماز کی یہ رکعات ہیں اور پھر اپنے ہاتھ سے
ہزارہا صحابہ کو اس فعل کا پابند کرکے سلسلۂ
تعامل بڑے زور سے قائم کر دیا۔ پس عملی
نمونہ جو اب تک اُمت میں تعامل کے رنگ
مشہود و محسوس ہے اسی کا نام سُنّت ہے
لیکن حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے روبرو نہیں لکھوایا اور نہ اس کے جمع
کرنے کے لئے کوئی اہتمام کیا ___ بعض
تبع تابعین کی طبیعت کو خدا نے اس طرف
پھیر دیا کہ حدیثوں کو بھی جمع کر لینا چاہیئے۔
اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اکثر حدیثوں
کے جمع کرنے والے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے
انہوں نے جہاں تک ان کی طاقت میں تھا
حدیثوں کی تنقید کی اور ایسی حدیثوں سے
بچنا چاہا جو اُن کی رائے میں موضوعات

میں سے تھیں اور ہر ایک مشتبہ الحال
راوی کی حدیث نہیں لی۔ بہت محنت کی مگر
تاہم وہ ساری کارروائی بعد از وقت تھی
اس لئے وہ سب ظن کے مرتبہ پر رہی۔ بایں ہمہ
یہ سخت ناانصافی ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ وہ سب
حدیثیں لغو اور نکمی اور بے فائدہ اور جھوٹی
ہیں بلکہ ان حدیثوں کے لکھنے میں اس قدر
احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور اس قدر تحقیق
اور تنقید کی گئی ہے جو اس کی نظیر دوسرے
مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ تاہم یہ غلطی ہے
کہ ایسا خیال کیا جائے کہ جب تک حدیثیں
جمع نہیں ہوئی تھیں اُس وقت تک لوگ
نمازوں کی رکعات سے بے خبر تھے یا حج
کرنے کے طریق سے ناآشنا تھے کیونکہ
سلسلۂ تعامل نے جو سُنّت کے ذریعہ ان میں پیدا
ہو گیا تھا تمام حدود اور فرائض اسلام انکو
سکھا دیئے تھے اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے
کہ ان حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود نہ بھی ہوتا
جو مدّتِ دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی
اصلی تعلیم کا کچھ بھی حرج نہ تھا کیونکہ قرآن اور
سلسلۂ تعامل نے ان ضرورتوں کو پورا کر دیا
تھا۔ تاہم حدیثوں نے اس نور کو زیادہ کیا گویا
اسلام نورٌ علیٰ نور ہو گیا اور حدیثیں قرآن اور
سُنّت کے لئے گواہ کی طرح کھڑی ہو گئیں۔
پس مذہب اسلم یہی ہے کہ قرآن اور سُنّت

کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جائے اور جو حدیث
قرآن اور سُنت کے مخالف نہ ہو اُس کو
بسر و چشم قبول کیا جائے۔ یہی صراطِ مستقیم
ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اس کے پابند
ہوتے ہیں۔ نہایت بدقسمت اور نادان وہ
شخص ہے جو بغیر لحاظ اس قاعدہ کے حدیثوں
کا انکار کرتا ہے۔

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا
چاہیئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالفِ
قرآن اور سُنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ
درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں۔ اور
انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں
اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور
نہ سُنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس
صورت میں فقہ حنفی پر عمل کر لیں کیونکہ اس
فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی
ہے۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ
سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو
اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد
اجتہاد سے کام لیں۔ قرآن اور سُنت سے
کسی حدیث کو معارض پاویں تو اس حدیث
کو چھوڑ دیں۔ نہ وہ مولوی محمد حسین کے گروہ
کی طرح حدیث کے بارہ میں افراط کی طرف
جُھکیں اور نہ عبداللہ کی طرح تفریط کی طرف
مائل ہوں بلکہ اِس بارہ میں وسط کا طریق اپنا
مذہب سمجھ لیں۔ یعنی نہ تو ایسے طور سے بکلّی حدیثوں
کو اپنا قبلہ و کعبہ قرار دیدیں جس سے قرآن
متروک اور مہجور کی طرح ہو جائے۔ اور نہ
ایسے طور سے اِن حدیثوں کو معطّل اور لغو
قرار دیدیں جن سے احادیث نبویہ بکلّی ضائع
ہو جائیں ؎

محاسنِ قرآن کریم

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اِس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہو گیا
وہ اپنے مُنہ کا آپ ہی آئینہ ہو گیا
اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا
ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا
اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہو گیا
شیطاں کا مکر و وسوسہ بے کار ہو گیا
افسُردگی جو سینوں میں تھی دُور ہو گئی
ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نُور ہو گئی
جاڑے کی رُت ظہور سے اُس کے پلٹ گئی
عشقِ خدا کی آگ ہر اک دل میں اُٹ گئی

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اسکے معرفت کا چمن ناتمام ہے

(درثمین)

درج ذیل مقالہ تعلیم القرآن کلاس ربوہ میں پڑھا گیا

قرآن کریم سے فقہی مسائل کا استنباط

(مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب فاضل۔ ربوہ)

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کے جتنے بھی پہلو ہیں اور اس کی جتنی بھی شاخیں ہیں اُن سب کے متعلق اسلام نے ہدایات دی ہیں اور ان کے لئے ضوابط مقرر کئے ہیں۔ اگر ہم موٹی تقسیم بھی کریں تو ہمیں زندگی کے تین پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ خیالات۔ خواہشات و جذبات اور اعمال۔ خیالات سے نظریات اور عقائد پیدا ہوتے ہیں۔ خواہشات و جذبات سے اخلاق جنم لیتے ہیں اور اعمال کا نتیجہ عبادات اور معاملات ہیں۔ ان سب کے متعلق رہنمائی ہمیں اسلام سے ملتی ہے۔

اسلامی ہدایات کا بنیادی اور اصلی سرچشمہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے یعنی قرآنی مطالب جن الفاظ میں بیان ہوتے ہیں وہ الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے اپنے ہیں۔ ان الفاظ کلمات کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ذمہ لیا ہے جس طرح ان کے معانی و مطالب کی حفاظت و حصونیت کا ذمہ لیا ہے ۔۔۔۔ پھر یہ ایک کامل شریعت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:-

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ
اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ
لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ ع۱)

یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا"۔

دنیا میں اور کوئی شریعت ایسی نہیں جسے مکمل قرار دیا جا سکے اور نہ ہی کوئی ایسی مذہبی کتاب ہے جو بعینہٖ اپنی اصل صورت میں محفوظ رہی ہو۔ یہ شرف صرف قرآن کریم کو ہی حاصل ہے۔ اس شان کی یہ کتاب ہمارے خیالات کی بھی اصلاح کرتی ہے۔ اور صحیح عقائد کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ اعلیٰ اخلاق سے بھی روشناس کراتی ہے اور عمل کی صحیح صحیح راہیں بھی متعین کرتی ہے۔

مجھے اس وقت مختصراً یہ بتانا ہے کہ اس پاک، مکمّل اور قطعی الثبوت کتاب سے فقہی احکام یعنی عملی زندگی کے متعلق قوانین و ضوابط کا استنباط کیسے کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی ۶۶۶۶ آیات میں سے پانچ صد کے قریب ایسی آیات ہیں جو اصولاً ان فقہی احکام سے متعلق ہیں۔ یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں اس لئے ان کے مطالب کے سمجھنے میں عملاً کوئی خاص دقّت پیش نہیں آ سکتی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ متواترہ نے اور بھی زیادہ وضاحت کر دی ہے۔ پس ضروریات فرائض اور واجبات میں کسی قسم کے ابہام کا سوال ہی پیدا نہیں

ہونا اور اُصول اپنی جگہ محکم و منضبط ہیں۔ ابہام و اختلاف کا دائرہ صرف فروعات اور جزئی مسائل تک ہی محدود ہے اور مفاصد کے لحاظ سے یہ کوئی حرج والی بات بھی نہیں ہے بلکہ ایک لحاظ سے انسانی طبیعت میں جو اختلاف کا رجحان اور خمیر ہے اُس کی تسکین کا سامان اس طرح سے مہیا کیا گیا ہے اور یہ حکمتِ الٰہی کے عین مطابق ہے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ اصولی قوانین و ضوابط اور فقہی احکام جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان میں کسی قسم کا ابہام و اخفاء نہیں۔ فرمایا:۔

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ (القمر ع ۲۰)

اور ہم نے ذکر، غور و فکر اور علم و عمل کے لئے قرآنِ کریم کو آسان بنایا ہے پس ہے کوئی سوچنے اور عمل کے لئے عزم ہمت باندھنے والا"

پس ان احکام کے معلوم کرنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ انسان عربی زبان اور قرآنی محاورہ سے اچھی طرح واقف ہو اور سنّتِ نبوی کا تاریخی علم رکھتا ہو مثلاً نماز روزہ۔ حج زکوٰۃ کے متعلق قرآنِ کریم میں واضح حکم موجود ہے۔ اِس طرح نکاح و طلاق۔ خرید و فروخت۔ حلال و حرام جُرم و سزا۔ عدل و انصاف۔ صُلح و جنگ۔ حکومت و سیاست کے متعلق بھی اصولی ہدایات بیان کر دی گئی ہیں۔ پس استنباط و اجتہاد کا اصلی میدان ضمنی اور فرعی احکام و مسائل تک ہی محدود ہے۔ اصول میں اس کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے۔ مثلاً نماز کو لیجئے قرآن کریم میں ہدایت ہے کہ نماز میں قرآن پڑھا جائے۔ فرمایا:۔

"يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

(مزمل ع ۱)

اے کملی اوڑھنے والے رات کو (اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لئے) اُٹھ۔ ہاں تھوڑا سا حصّہ نصف کے قریب یا اِس سے کچھ کم و بیش (سونے اور آرام کرنے کی بھی اجازت ہے) اور (نماز میں) سنوار کر قرآن پڑھ"۔

یہ بھی بیان کر دیا کہ کس قدر قرآن پڑھنا ضروری ہے جیسے حکم ہوا:۔

"عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (مزمل ع ۲)

یعنی وہ جانتا ہے کہ تم اِس کا پورا احصاء نہیں کر سکو گے اِس لئے وہ تم پر رجوع برحمت ہوا۔ پس جو آسانی سے تم قرآن کا حصّہ پڑھ سکو پڑھو"۔

یہ تو اُصولی حکم ہوا اب اِس جگہ کئی ضمنی سوال پیدا ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ کم سے کم کتنا حصہ قرآن پڑھنا ضروری ہے کیا ہر رکعت میں پڑھنا ہے یا صرف ایک آدھ رکعت میں پڑھنا کافی ہو گا۔ کیا قرآن کریم کے کسی معیّن حصّہ کی تلاوت لازمی

ہے یا جہاں سے چاہے انسان پڑھ لے

ظاہر ہے کہ یہ بالکل ضمنی اور فرعی سوالات ہیں ایک سنجیدہ اور خدا ترس انسان جب اِس حکم کی تعمیل کرے گا تو وہ مناسب طرزِ عمل ہی اختیار کرے گا اور اِس حکم کو ایک گونہ کھیل کا رنگ نہیں دے گا پس حقیقتاً ان سوالات کی کوئی خاص عملی اہمیّت نہیں اور یہ صرف نظری اور علمی سوالات ہیں اور اس بناء پر ہیں کہ اِس حکم کی کم سے کم حد بندی کیا ہے۔ پس استنباط کے لحاظ سے ان سوالات کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں کم سے کم پڑھنی چاہئیں کیونکہ قرأت و تلاوت کا مفہوم اِس سے کم مقدار میں پورا نہیں ہوتا اِسی طرح کم سے کم دو رکعتوں میں قرآن ضرور پڑھنا چاہیئے کیونکہ نصف یا اکثر کا حکم کُل کے قائمقام ہو جاتا ہے کسی معیّن حصّہ کی تلاوت لازمی نہیں۔ کیونکہ فرمایا

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

یعنی جو آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لو۔ پس ظاہر ہے کہ اصولاً جس نے نماز میں قرآنِ کریم کے کچھ حصّہ کی تلاوت کی وہ تعمیلِ حکم کے ثواب کا مستحق ہو گیا باقی باتیں اصل حکم سے زائد ہوں گی جو صرف تعمیلِ حکم کے حُسن میں کمی بیشی کا موجب ہوں گی اور اِسی طرح ثواب میں کمی بیشی پر اثر انداز ہوں گی۔

بعض اوقات کسی حکم کے استنباط میں کسی تفسیری حدیث کو ماننے یا نہ ماننے سے بھی فرق پڑتا ہے مثلاً قرآن کریم میں حکم ہے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ فلاں کام نہیں کرے گا اور پھر اُس کام کو کرنا بہتر نظر آئے تو قسم توڑ سکتا ہے لیکن اِس صورت میں قسم توڑنے کا کفّارہ دینا پڑے گا یہ کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا غلام آزاد کرنا۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھنا ہے۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں :۔

" لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ (مائدہ ع ۱۲ ۸۹)

یعنی وہ لغو اور بے ارادہ قسموں کا مؤاخذہ نہیں کرے گا بلکہ جو قسمیں تم بالارادہ اور پختہ عزم کے ساتھ سنجیدگی سے کھاؤ (ان کو توڑنے کی صورت میں) اس کا کفّارہ ادا کرنا پڑے گا۔ یعنی اوسطاً جو خوراک تمہارے گھروں میں استعمال ہوتی ہے اس کے لحاظ سے دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا اپنے لباس کے معیار کے مطابق ان کو لباس پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو۔ لیکن جس میں یہ طاقت نہ ہو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ ہے جب تم قسم کھاؤ تو تمہاری قسموں

کا کفارہ (اور اس کی تفصیل)۔

اس حکم کے سلسلہ میں یہ ایک ضمنی سوال سامنے آتا ہے کہ یہ روزے لگاتار رکھنے ضروری ہیں یا وقفہ سے بھی رکھ سکتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے متوالی اور لگاتار رکھنے کا حکم دیا ہے جو لوگ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں وہ اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور جو اسے صحیح نہیں مانتے وہ وقفہ کی اجازت کے قائل ہیں۔ تاہم اصولی حکم صرف اس قدر ہے کہ قسم توڑنے کے کفارہ کی ایک صورت تین روزے رکھنا بھی ہے اور اتنے حکم میں کوئی اخفا یا ابہام نہیں کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آئے۔

بعض اوقات کسی حکم کی حکمت کے سمجھنے کے لحاظ سے بھی استنباطِ حکم میں فرق پڑ جاتا ہے مثلاً قرآن پاک میں حکم ہے کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں۔ آیت یہ ہے:-

"وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(بقرہ ع ۳۰ ۲۳۴)

اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں اور (اپنے پیچھے) بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کی یہ بیویاں چار ماہ دس دن انتظار کریں اور اپنے آپ کو (نکاح کے اقدام سے) روکے رکھیں پھر جب وہ یہ مدت پوری کر چکیں تو معروف کے مطابق جو طرزِ عمل (دوسری جگہ نکاح کرنے کے بارہ میں) اپنے متعلق اختیار کریں اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس کا ان کو پورا اختیار ہے۔"

دوسری طرف یہ حکم بھی قرآن پاک کا ہی ہے کہ جو حاملہ عورتیں ہیں ان کی عدت بچہ پیدا ہونے پر ختم ہو جاتی ہے چنانچہ فرمایا:-

"وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا۔

(طلاق ع ۴)

اور حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو آسان کر دیتا ہے۔"

اب ایک ضمنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس عورت کے بچہ خاوند کے مرنے کے مثلاً دوسرے تیسرے روز پیدا ہو گیا وہ کیا کرے۔ آیا اس کی عدت ختم ہو گئی یا وہ بھی چار ماہ دس دن ہی عدت گزارے۔ جب ہم اس حکم کی حکمت پر غور کرتے ہیں تو اس کی ایک حکمت یہ سمجھ آتی ہے کہ اس حکم کے نتیجہ میں نسل خالص رہتی ہے اور یہ اشتباہ باقی نہیں رہتا کہ

بچہ مرنے والے شخص کا ہے یا اُس کا جس سے بیوہ نے بعد میں نکاح کیا ہے۔ اگر اس حکمت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بچہ پیدا ہونے پر اس عورت کی عدّت ختم ہو جانی چاہیئے اور اُسے اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ خاوند کے مرنے کے دوسرے تیسرے روز ہی کسی دوسری جگہ اپنا نکاح کر لے لیکن اس حکم کی ایک اور حکمت بھی سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ نکاح میں میاں بیوی کا جو گہرا تعلق ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جو باریک اور نازک جذبات اور روحانی تعلقات وابستہ ہوتے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ عورت مناسب مدت تک دوسرے نکاح کے لئے انتظار کرے جس کی حد بندی قرآنِ کریم چار ماہ دس دن کرتا ہے۔ فوری اجازت کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اِس عورت کو نکاح کا پیغام دے لیکن تازہ تازہ غم کی وجہ سے عورت کو یہ پیغام سخت ناگوار گذرے۔ اسی طرح بعض اوقات ایسی صورتِ حال میں مرحوم کے رشتہ دار سخت مشتعل ہو جاتے ہیں یا عورت ہی کے رشتہ دار بُرا مناتے ہیں اگر اِس حکمت کو مان لیا جائے تو ایسی عورت کو بھی چار ماہ دس دن عدّت گزارنی چاہیئے خواہ خاوند کے مرنے کے دن ہی اُس کے بچہ پیدا ہو گیا ہو۔ چونکہ یہ دونوں حکمتیں اپنی جگہ خاصی مؤثر ہیں اس لئے محتاط طبیعت علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان میں سے جو مدّت زیادہ لمبی ہے اُس کے مطابق عورت کو عدّت گزارنی چاہیئے۔ اگر خاوند کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن سے پہلے بچہ پیدا ہوا ہے تو چار ماہ دس دن اُسے پورے کرنے چاہئیں۔ اور اگر اِس عرصہ میں بچہ پیدا نہیں ہوا تو بچہ پیدا ہونے پر خواہ وہ پانچ ماہ میں پیدا ہو یا نو ماہ میں عدت ختم ہو گی۔

بہرحال حکم صرف اتنا ہے کہ خاوند کے مرنے پر عورت کو عدّت گزارنی چاہیئے۔ اور اس سلسلہ میں جو یہ ضمنی صورت پیدا ہوئی ہے اُس سے اصل حکم کی وضاحت بالکل متاثر نہیں ہوتی۔

بعض اوقات محاورہ زبان اور استعارہ و مجاز سے ناواقفیت اور آیت کے صحیح صحیح مفہوم کو کسی وجہ سے نہ سمجھ سکنا بھی استنباط حکم پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن غور و فکر یا صاحبِ آیات کے توجہ دلانے سے ایسی غلط فہمی بآسانی دُور ہو جاتی ہے۔ اِس کی ایک واضح مثال یہ روایت ہے کہ جب روزہ کے وقت کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔

(بقرہ ۱۸۷)

یعنی کھاؤ اور پیو۔ یہاں تک کہ تمہارے لئے فجر کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ممتاز اور نمایاں نظر آنے لگے پھر تم رات تک روزہ پورا کرو۔"

تو ایک شخص نے دو دھاگے ایک سیاہ اور ایک سفید رکھ لئے اور روشنی کا اندازہ ان کے ذریعہ کرنے کا انتظام کیا۔ حضور علیہ السلام کو جب اِس کا علم ہوا تو آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ یہ تو محاورہ اور استعارہ کے رنگ میں ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے حقیقی دھاگہ یہاں مُراد

نہیں بلکہ فجر کی سفید لکیر جو مشرق میں اُفق پر نمودار ہوتی ہے اور اُس کے ساتھ رات کی سیاہ لکیر پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہ مُراد ہے۔ اسی قسم کی غلط فہمی کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص قدامہ ابن مظعون رضؓ نے شراب پی لی۔ جب اُن پر گرفت ہوئی تو انہوں نے کہا قرآن مجھے شراب پینے کی اجازت دیتا ہے کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور خدا کی رضا کے لئے اچھے کام کرتے رہے وہ اگر شراب پی لیں تو کوئی حرج نہیں۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں :-

"لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا
طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا
وَّ اَحْسَنُوْا ۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(مائدہ ع ۱۲ - ۹۳)

نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور اچھے مناسبِ حال عمل کئے کوئی گناہ اس بارہ میں جو انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور اچھے عمل کئے پھر وہ متقی رہے ایمان لائے پھر تقویٰ پر قائم اور حسنِ عمل میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے"۔

میں چونکہ مومن اور نماز روزہ کا پابند ہوں نیز دینی کاموں میں ہر طرح کا حصہ لیتا ہوں اور شراب پی کر کوئی بدمستی نہیں کرتا اس لئے میرے لئے یہ منع نہیں۔ اب یہ صاحب دراصل اس آیت کے نزول کے پسِ منظر سے بے خبر تھے۔ اور جب حضرت عمر رضؓ نے اسکی وضاحت کر دی تو انکی ساری غلط فہمی دور ہوگئی۔ واقعہ صرف اس قدر تھا کہ حرمتِ خمر کے حکم سے پہلے بعض صحابہ رضؓ شراب پی لیا کرتے تھے۔ جب شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو کئی صحابہ رضؓ کو تشویش ہوئی کہ جو صحابی شراب پیتے تھے اور اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے ہی فوت ہوگئے اُن کا کیا بنے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ سب مومن اور نیک تھے اور شراب نوشی نے انکی نیکی کو ضائع نہیں کیا۔ اب اِس شخص نے اس پسِ منظر کے اس حصہ کا تو خیال رکھا کہ جب شراب نوشی انکی نیکیوں پر اثر انداز نہیں ہوئی تو میری نیکیوں پر کیوں اثر انداز ہوگی لیکن یہ حکمت اسکی نظر سے اوجھل رہی کہ انکی شراب نوشی تو حرمت کے حکم سے پہلے کی تھی اور وہ اِس حرمت کے نازل ہونے کے بعد اس کا مرتکب ہو رہا ہے۔

اِسی قسم کی غلط فہمی کے ضمن میں وہ علماء بھی آجاتے ہیں جو قرآن کریم میں بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں۔ اِس غلطی کی ساری بنیاد اِس پر ہے کہ تاریخی پسِ منظر سے ناواقفیت یا کسی اور وجہ سے بعض آیات کا صحیح صحیح مفہوم ان کی سمجھ میں نہیں آیا اِس لئے انہوں نے ان آیات کو منسوخ قرار دیدیا۔ یہی وجہ ہے کہ جن علماء کو ان میں سے جتنی جتنی آیات کا مفہوم سمجھ آتا گیا وہ ان کے منسوخ نہ ہونے کے قائل ہوتے گئے۔ بہرحال قرآن کریم سے فقہی مسائل کا استنباط ایک بہت وسیع مضمون ہے وقت کی قلت کے پیشِ نظر میں اسی پر بس کرتا ہوں۔

حاصلِ اسلام ——— تقویٰ

مکرم ملک مبارک احمد صاحب قائد مجلس۔ کراچی

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آلِ عمران ع ۱)

یعنی اے مومنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اس کی تمام شرائط کے ساتھ۔ اور تم پر صرف ایسی حالت میں موت آئے کہ تم پورے فرمانبردار ہو۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو تقویٰ اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کا اہم رکن ہے۔ یہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ یہ وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ یہ گلشنِ اسلام کا ایسا پھل ہے جس کی شیرینی سے صرف متقی لوگ ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

تقویٰ کیا ہے

تقویٰ کے معنے ہیں کسی بُرے کام کے ارتکاب سے بچنا۔ اپنے دل کو دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھنا۔ دل میں خشوع و خضوع اور حبّ الٰہی پیدا کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تقویٰ کی تعریف یوں فرماتے ہیں :-

"تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ہر چیز کی جڑ ہے۔ تقویٰ کے معنے ہیں ہر باریک در باریک گناہ سے بچنا۔ تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ جس امر میں بدی کا شُبہ بھی ہو اس سے بھی کنارہ کرے۔" (تذکرہ حبیب)

تقویٰ نام ہے قرآنِ پاک کی اس آیت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا :-

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

یعنی اے رسول تو ان کو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے۔ جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

اور اس آیت کے مطابق وہی لوگ زندگی بسر کر سکتے ہیں جن کے دل تقویٰ اللہ سے معمور ہوں۔

اس بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے :-

"عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی الجسد مضغۃ

اذا صلحت صلح الجسد کلہ و
اذا فسدت فسد الجسد کلہ
الا و ھی القلب"

"یعنی نعمان بن بشیر کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب وہ اچھا ہو جائے تو تمام جسم اچھا ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اور اے مسلمانو! ہوشیار ہو کر سُن لو کہ وہ دل ہے"

گویا دل تمام نیک اعمال کا منبع اور مولد ہے۔ اگر دل ٹھیک ہو تو تمام انسانی اعمال درست ہو جاتے ہیں۔ اور اگر دل گندہ ہو اور انسان بظاہر نیک اعمال بجا بھی لاتا ہو تو اس کے اعمال میں منافقانہ ریا کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ انسان دو اجزاء کا مرکب ہے۔ دل اور زبان۔ اس بارہ میں زہیر کہتا ہے ؎

لسان الفتیٰ نصف و نصف فؤادہ
فلم یبق الا صورۃ اللحم والدم

کہ انسان کا نصف حصہ اس کی زبان ہے اور بقیہ نصف اس کا دل اور باقی تو صرف گوشت اور خون کا ایک لوتھڑا ہے۔

اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"دل کی مثال ایک بڑی نہر کی سی ہے جس میں سے اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں جن کو سُوا کہتے ہیں یا راجباہ کہتے ہیں۔ دل کی نہر میں سے بھی چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں۔ مثلاً زبان وغیرہ۔ اگر چھوٹی نہر یعنی سوئے کا پانی خراب اور گندہ ہو تو قیاس کیا جاتا ہے کہ بڑی نہر کا پانی خراب ہے۔ پس اگر کسی کو دیکھو کہ اس کی زبان یا دست و پا وغیرہ میں سے کوئی عضو ناپاک ہے تو سمجھو کہ اس کا دل بھی ایسا ہی ہے۔" (ذکر حبیب)

پس معلوم ہوا کہ دل جو تقویٰ کا منبع ہے اس کا تعلق انسانی افعال سے قریب ترین ہے۔ اور یہ چیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے ؎

"ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے"

حصولِ تقویٰ

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ"

(سورہ بقرہ ع ۸)

"یعنی اے مومنو نیکی کا جو کام بھی تم کرو گے اللہ اس کو پہچان لے گا اور زادِ راہ ساتھ لو۔ اور یاد رکھو کہ بہترین زادِ راہ

تقویٰ ہے۔ اے عقلمندو! میرا تقویٰ
اختیار کرو!"

دنیا میں ہماری زندگی چند روزہ ہے۔ اور
یہ دنیا دارِ مکافات ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔

الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر

کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت
اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس دنیا کو قید خانہ تصوّر
کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اپنے دل میں جاگزیں
کریں کیونکہ تقویٰ آخرت کے لئے بہترین زادِ راہ ہے
لیکن تقویٰ کے حصول کے لئے انسان کو بڑی کوشش اور
مجاہدے کی ضرورت ہے اسے نفسِ امّارہ سے نفسِ لوّامہ
کی طرف اور پھر نفسِ مطمئنہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔
اور اسے خدا تعالیٰ کی خاطر بہت سی مرغوب چیزوں سے
اجتناب کرنا ہوتا ہے۔ اسے وثوق سے کہنا پڑتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہستی موجود ہے۔ انبیاء کی تعلیم۔
فرشتوں کا وجود۔ آخرت۔ حشر نشر۔ جزا سزا پر ایمان
بالغیب لانا پڑتا ہے۔ پھر نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ
پر مدۃ العمر قائم رہنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ
تمام اوامر و نواہی کو مدّ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ وہ تمام
شرائط ہیں جو حصولِ تقویٰ کے لئے لازمی ہیں اور ان کے
بغیر کوئی بھی متقی نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ ہی وصلِ خداوندی
حاصل کر سکتا ہے۔

تقویٰ اور اسلام

تقویٰ اسلام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے
گویا یہ ستون ہے اسلام کی عظیم الشان عمارت کا حضرت
مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضی خدا

تقویٰ اور اسلام کا لطیف امتزاج حضرت مسیح موعود
علیہ السلام نے اس عبارت میں یوں کیا ہے:۔

"اسلام چیز کیا ہے؟ وہی جلتی ہوئی
آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے
اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر
سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان
اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی
قربانی پیش کرتی ہے۔ ایسے چشمہ میں
داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے
ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا
سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک
رشتہ دوسرے رشتے سے پیوند کیا
جاتا ہے۔ بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ
ہمارے اندر سے نکلتی ہے۔ اور ایک
آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے۔ ان
دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام
ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم
ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی میں
مر جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام قرآن شریف
کی رُو سے اسلام ہے۔ اسلام سے
ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے

اور پھر دعا سے ہم از سر نو زندہ ہو جاتے ہیں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

اسی لئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ
اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ؕ

کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز متقی ہوتا ہے یقیناً اللہ خوب جاننے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔

پھر فرماتا ہے:-

اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ۔

(الجاثیۃ ع ۲)

یعنی ظالم آپس میں ایک دوسرے کو پناہ دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو پناہ دینے والا ہے۔

پھر فرماتا ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔

(انفال ع ۲)

کہ یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے:-

اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

(سورہ اعراف)

کہ اچھا انجام تقویٰ اختیار کرنیوالوں کا ہی ہوتا ہے۔

تقویٰ کے فوائد

تقویٰ کے ذریعہ نیک مقاصد بہت جلد حاصل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:-

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ (مائدہ ع ۱۳)

اے عقلمند و اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم بامراد ہو جاؤ۔

دوسرا فائدہ تقویٰ سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے متقیوں پر ترقیات کے دروازے کھلتے ہیں۔ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیْرُ (سورہ انعام)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ایمان کے مناسب حال عمل بھی کئے تو ان کو باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

تقوے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ حق و باطل کے نشانات کا حصول ہے۔

چوتھا فائدہ رزق کی غیبی مدد ہے۔ جیسے فرماتا ہے:-

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ

(طلاق)

یعنی جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دیگا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا

جہاں سے رزق آنے کا اسے خیال بھی
نہیں ہوگا۔

تقویٰ کا پانچواں فائدہ کاموں میں آسانی ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ
يُسْرًا۔ (سورہ طلاق)

یعنی جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے
اللہ ضرور اس کے معاملہ میں آسانی
پیدا کر دیتا ہے۔

تقویٰ کا چھٹا فائدہ بدیوں کا مٹ جانا اور انسان کے
اجر کا بڑھ جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا۔ (سورہ طلاق)

کہ جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے
اللہ تعالیٰ اس کی بدیوں کو اُس سے
دُور فرما دیتا ہے اور اس کے اجر کو
بڑھا دیتا ہے۔

ساتواں فائدہ تقویٰ سے یہ ہے کہ متقی کو اس دنیا میں بھی
جنت ملتی ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔
(سورۃ رحمٰن)

کہ جو شخص اپنے رب کی شان سے ڈرتا
ہے اس کے لئے دو جنتیں مقرر ہیں۔ دنیوی
بھی اور اُخروی بھی۔

تقویٰ کا آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ جنت متقیوں کے قریب
کی جائے گی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔
(سورۃ الشعراء)

کہ جنت متقیوں کے قریب کر دی جائیگی۔

تقویٰ کا نواں فائدہ یہ ہے کہ متقی امن کے مقام میں
داخل ہوں گے۔ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ يَّلْبَسُوْنَ
مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ
مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ (سورۃ الدخان)

کہ متقی ایک امن والے مقام میں ہونگے
یعنی باغات اور چشموں میں وہ ریشم اور
تافتہ پہنیں گے اور ایک دوسرے
کے مقابل پر بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

آخر میں مَیں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ
جماعتِ احمدیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں امامِ وقت پر ہم ایمان
لائے ہیں۔ جب تک ہم ہر کام میں تقویٰ اللہ کو مدِنظر نہیں
رکھیں گے اس وقت تک ہم نہ انفرادی طور پر اور نہ ہی
جماعتی طور پر کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اپنے مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مَیں سیدنا امام الزمان
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بیش قیمت اقتباس درج
کرتا ہوں جس میں آپ نے اپنی جماعت کے افراد کو بڑی تفصیل
سے بعض ضروری نصائح فرمائی ہیں جن پر عمل کر کے یقیناً وہ اللہ تعالیٰ
کی رضا اور اس کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"سو اے وے لوگو! جو اپنے تئیں میری
جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت

میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ
تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ
نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ
گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے روزوں
کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورا کرو۔ ہر ایک
جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر
حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ
حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی
کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ
کوئی عمل خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ
سے خالی ہو۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس
عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی
ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت
سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں
کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو۔ ایسا نہ
ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں
سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔
جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں
سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری
زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک
لازوال عزت آسمان پر دیگا۔ سو تم اس کو
مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ
اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ
سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا
خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم
ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے
بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور
خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور
ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا
کی آخری جماعت ہو۔ سو وہ عمل نیک دکھلاؤ
جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں۔ ہر
ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک
گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا
جائے گا اور حسرت سے مریگا۔ اور خدا کا کچھ
نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے
خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود
ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ
اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔
وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس
جاتا ہے۔ جو اس کو عزت دیتا ہے وہ اسکو
بھی عزت دیتا ہے۔ تم اپنے دلوں کو سیدھے
کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں
کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں
قبول کرے گا۔" (کشتی نوح)

سو ہمیں چاہیئے کہ حضورؑ کی اس بیان فرمودہ
تعلیم پر ہم دل و جان سے عمل پیرا ہوں تا وہ ساری علامات
جو ایک متقی انسان میں ہونی چاہئیں ہم میں بھی پیدا ہو جائیں
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

پروفیسر ٹائن بی اور مغربی تہذیب

(از محترم نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ - حال ربوہ)

"خالد" کے جولائی کے شمارہ میں پروفیسر ٹائن بی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "مجھے مغربی تہذیب کیوں ناپسند ہے ؟"
حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر موصوف مغربی تہذیب سے اتنے نالاں ہیں کہ وہ نہ صرف اِس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں بلکہ اپنی اکثر تقاریر میں بھی اس بات کا ذکر کرتے ہیں - یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ وہ مغربی تہذیب سے اپنی بیزاری کے اظہار کے لئے مختلف ممالک کے دَورے کرکے وہاں اِس موضوع پر لیکچر بھی دیتے ہیں -

حال ہی میں پروفیسر صاحب موصوف نے نائیجیریا (مغربی افریقہ) کا بھی دَورہ کیا اور مختلف یونیورسٹیوں میں اِس موضوع پر تقاریر کیں - چنانچہ لیگوس یونیورسٹی میں بھی انہوں نے اِس موضوع پر تقریر کی - وہاں ان کا موضوع تھا " مغربی تہذیب کی خامیاں" - پروفیسر صاحب نہ صرف ایک نہایت ہی نامور مؤرخ ہیں بلکہ آپ ایک اچھے فلسفہ دان بھی ہیں اور مختلف مذاہب کے معتقدات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں -

آپ نے اِس لیکچر میں مغربی تہذیب کے کھوکھلا پن کا ذکر کرتے ہوئے متعدد ایسی باتوں کا ذکر کیا جن سے صاف ظاہر تھا کہ مغربی تہذیب میں جن باتوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے وہی سب سے زیادہ منافقت کا رنگ رکھتی ہیں - اُنہوں نے یہ بھی بتایا کہ باوجود بلند بانگ دعاوی کے مغربی تہذیب نسلِ انسانی کیلئے ہلاکت ہی کا باعث بنی ہوئی ہے -

نہایت مفصل تقریر کے بعد اُنہوں نے حاضرین کو سوالات کا موقع دیا - خاکسار مع لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سید محمد یوسف شاہ صاحب انچارج احمدیہ ڈسپنسری لیگوس اور چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ انچارج مشرقی نائیجیریا بھی موجود تھا - چنانچہ خاکسار نے بھی پروفیسر صاحب موصوف سے ایک سوال پوچھا - سوال یہ تھا :- "آپ کو معلوم ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے ہمیشہ اِس بات کو پیش کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی بنیاد عیسائیت کی بنیادوں پر اُٹھائی گئی ہے اور اِس لئے مغربی تہذیب کی تمام تر خوبیوں کی داد عیسائیت کو ملنی چاہیئے - آج آپ نے مغربی تہذیب کی خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان خامیوں کے لئے عیسائیت کہاں تک ذمہ وار ٹھہرائی جا سکتی ہے ؟"

چونکہ یہ سوال باقی تمام سوالوں کی ڈگر سے

ہٹ کر تھا اس لئے پہلے تو سوال ہی نے کافی داد وصول کی اس کے بعد جب پروفیسر موصوف جواب دیتے وقت محض اسلام کے فرقہ وارانہ جھگڑوں میں اُلجھ کر رہ گئے تو حاضرین نے اس جواب سے بیزاری کا اظہار کیا۔

اسی شام اردن کے سفیر کے ہاں پروفیسر صاحب کی دعوت تھی خاکسار بھی مدعو تھا۔ چنانچہ جب خاکسار وہاں پہنچا تو ابھی دروازے پر سفیر صاحب سے مِل ہی رہا تھا کہ وہ دوست جنہوں نے یونیورسٹی میں پروفیسر صاحب کے لیکچر کا انتظام کیا تھا دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ پروفیسر صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا (سوال سُننے کے بعد) کہ چونکہ سوال کنندہ احمدیہ جماعت سے تعلق رکھنے والا معلوم ہوتا ہے اگر ہو سکے تو میری ان سے ملاقات کرا دی جائے۔ چنانچہ اب آپ چلئے اور اُن سے مل لیجئے۔

خاکسار اُسی وقت پروفیسر صاحب کے پاس گیا۔ نیازمندانہ سلام عرض کرنے کے بعد گفتگو شروع ہوئی تو اُنہوں نے نائیجیریا میں احمدیت کے دخول اور نفوذ پر دلچسپ گفت گو کی۔ مرکز احمدیت کے متعلق بھی انہوں نے بعض سوالات پوچھے۔ سوالات ایسے تھے جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ پروفیسر صاحب نے احمدیت کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا ہوُا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ مختلف مذاہب اور مختلف تحریکات کا انہوں نے واقعی کافی گہرا مطالعہ کیا ہوُا ہے اور وہ ان کا مقابلہ کرتے وقت بعض بہت ہی پتے کی باتیں کہہ جاتے ہیں۔

مغربی تہذیب کے خلاف ان کی مہم نہایت قابلِ قدر ہے اور اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ مہم درحقیقت عیسائیت کے کھوکھلے پن ہی کے خلاف ہے ٭

دعوتِ عمل

احمدی اُٹھ کہ وقتِ خدمت ہے
یاد کرتا ہے تجھ کو ربِّ عباد

خدمتِ دیں ہوئی ہے تیرے سپرد
دُور کرنا ہے تُو نے شر و فساد

تجھ پہ ہے فرض نصرتِ اسلام
تجھ پہ واجب ہے دعوتِ ارشاد

خدمتِ دیں کے واسطے ہو جا
ساری قیدوں کو توڑ کر آزاد

دشمنِ حق ہیں گو بہت لیکن
کام دے گی انہیں نہ کچھ تعداد

کفر و الحاد کے مٹانے کی
حق نے رکھی ہے تجھ میں استعداد

فتح تیرے لئے مقدّر ہے
تیری تائید میں ہے ربِّ عباد

(کلامِ محمود)

فلسفۂ یونان ——— ایک تعارف

طالیس سے سوفسطائیوں تک

——— (۶۲۴ ق م تا ۳۷۰ ق م) ———

(مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ایم۔ اے۔ ربوہ)

یونانی فلسفہ کو ہم چار مختلف ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ یعنی :-

۱۔ طالیس سے سوفسطائیوں تک کا دَور۔

۲۔ سوفسطائیوں اور سقراط کا دَور۔

۳۔ افلاطون اور ارسطو کا دَور۔

۴۔ ابیقورس اور رواقی مدرسۂ فکر اور انکے متاخرین کا دَور۔

اِس مضمون میں ہم صرف پہلے دَور یعنی طالیس (Thales) سے سوفسطائیوں تک کے دَور کا جائزہ لیں گے لیکن اِس سے قبل کہ اِس دَور کے فلسفہ کے متعلق کچھ لکھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس دَور کے مشہور فلسفیوں اور ان کے حالاتِ زندگی سے ایک مختصر سا تعارف ہو جائے۔

(۱) طالیس (Thales) یہ یونان اور یورپ کا سب سے پہلا فلسفی ہے۔ تقریباً ۶۲۴ ق م میں ملیٹس (Miletus) میں پیدا ہوا اور ۵۴۵ اور ۵۴۸ ق م کے درمیان کسی وقت فوت ہوا۔ یہ اپنے زمانہ کا مشہور سیاست دان، حساب دان اور ماہر علم فلکیات تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۸ مئی ۵۸۵ ق م کو جو گرہن لگا تھا اس کے وقوع سے قبل طالیس نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ یہ مصر بھی گیا جہاں اس نے حساب کے ذریعہ سے میناروں کی پیمائش کی۔ اس نے ایک ایسا آلہ بھی ایجاد کیا جس سے جہازوں کا درمیانی فاصلہ معلوم ہو سکتا تھا۔

(۲) انکزامینڈر (Anaximander) یہ طالیس کا ہم عصر اور ہم وطن تھا اور اسی کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ ۶۱۱ ق م ملیٹس میں پیدا ہوا اور ۵۴۷-۵۴۶ کے درمیان کسی وقت فوت ہوا۔ علم جغرافیہ اور علم فلکیات کا ماہر تھا۔ اس نے زمین اور اجرام فلکی کے کچھ نقشے بھی تیار کئے اور یونانیوں کو پہلی بار دھوپ گھڑی (Sundial) سے آگاہ کیا۔ یہ یونان کا پہلا نثر نگار بھی ہے۔

(۳) انکزامینز (Anaximenes) ۵۲۴ ق م یہ بھی ملیٹس کا رہنے والا تھا اور طالیس کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔

(۴) فیثا غورث (Pythagoras) یہ سیموس (Samos) میں ۵۷۰ اور ۵۸۰ ق م کے درمیان کسی وقت پیدا ہوا۔ ۵۲۹ ق م کے قریب یہ ہجرت کر کے جنوبی اٹلی کے علاقہ کروٹونا (Crotona) میں چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے ایک قسم کی مذہبی برادری (Religious Order) کی بنیاد ڈالی۔ فیثا غورث کے سیاسی خیالات کی وجہ سے اس کا ریاست کے ساتھ اختلاف ہو گیا اور لوگ اس کی مذہبی برادری کے مخالف ہو گئے۔ ان پر ظلم و ستم ڈھائے جانے لگے اور ان کے دفاتر کو مسمار کر دیا گیا۔ فیثا غورث کو مجبوراً کروٹونا چھوڑ کر میٹا پونٹم (Metapontum) جانا پڑا جہاں وہ ۵۰۰ ق م میں فوت ہو گیا۔ اسکے بہت سے ساتھی روم چھوڑ کر یونان آگئے۔ کچھ عرصہ بعد اس کی برادری میں پھر زندگی کے آثار پیدا ہوئے لیکن ۴۰۰ ق م کے بعد اس کے اثرات قریباً قریباً ختم ہو گئے۔

(۵) ہیرقلیطوس (Heraclitus) ۵۳۵ ق م تا ۴۷۵ ق م - ۵۳۵ ق م میں افیسوس (Ephesus) میں پیدا ہوا۔ یہ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور یونان کا ایک مشہور نثر نگار تھا لیکن اشاروں کنایوں میں باتیں کرنے کا عادی تھا اور یہی انداز اس کی تحریر میں پایا جاتا ہے۔ سنجیدہ اور صاحب رائے انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست نقاد بھی تھا۔

(۶) پارمینڈیز (Parmenides) ۵۱۵ ق م میں ایلیا (Elea) میں پیدا ہوا۔ اس کی زندگی کے متعلق بہت کم علم حاصل ہو سکا ہے۔ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں یہ فیثا غورث کے مذہب میں شامل تھا لیکن بعد میں اس نے فیثا غورثیت کو ترک کر دیا اور ایک نئے فلسفہ کی بنیاد ڈالی۔

(۷) زینو فینیز (Xenophanes) ۵۷۰ ق م تا ۴۸۰ ق م۔ کالوفون (Colophon) کا رہنے والا تھا۔ ۲۵ سال کا تھا کہ ایرانیوں نے اسکے ملک پر قبضہ کر لیا اور اس نے ملک چھوڑ دیا اور مالٹا (Malta) فیروس (Pharos) میسانا (Messana) کیٹینیا (Catania) اور سیراکیوز (Syracuse) میں گھومتا رہا اور مختلف علاقوں کے بڑے بڑے آدمیوں سے تعلقات پیدا کئے۔

(۸) زینو (Zeno) یہ بھی ایلیا کا رہنے والا تھا اور پارمینڈیز کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ ۴۰۹ ق م میں پیدا ہوا۔

(۹) میلیسوس (Melissus) سیموس (Samos) کا رہنے والا تھا اور پارمینڈیز کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔

یہ تینوں فلسفی پارمینڈیز، زینو اور میلیسوس ایک ہی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور عام طور پر ایلیاٹکس (Eleatics) کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

(۱۰) ایمپیڈوقلیس (Empedocles) ۴۹۵ ق م

مکرم ارشاد اعزازی صاحب
حلقہ سلطان پورہ۔ لاہور

"قوتِ شامّہ کی کرشمہ سازیاں"

ناک کے متعلق بعض عجیب و غریب حقائق ہیں۔ آئیے ان حقائق کی روشنی میں معلوم کریں کہ قدرت میں سب سے زیادہ تیز قوتِ شامّہ کی حامل ناک کونسی ہے؟ کس جاندار میں قوتِ شامّہ اتنی تیز ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو صرف سونگھ کر ہی پہچان لیتا ہے؟ کون ہے جس کو کیڑوں کی دنیا کا "سب سے بہترین سونگھنے والا" گردانا جاتا ہے؟ کس کی ناک اتنی تیز ہے کہ وہ آدمی کی بُو کو میلوں فاصلے سے سونگھ سکتا ہے؟ اور پھر کون اپنی قوتِ شامّہ کے بل بوتے پر ہی زیرِ زمین گیس پائپ میں معمولی سے معمولی سوراخ کو جس کو میٹر کے ذریعہ بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا بتا سکتا ہے؟ وہ کونسا جانور ہے جو پتھریلی زمین پر بھی جہاں پاؤں کے نشانات بن ہی نہیں پاتے سونگھتا ہوا تعاقب میں میلوں چلا جاتا ہے؟ اور کس کی ناک ہے کہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ مختلف قسم کی بُوئیں تمیز کر سکتی ہے؟ یہ تمام سوالات ہیں جن کے جوابات سے ہی ہم صحیح طور پر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قدرت میں قوتِ شامّہ کی چیمپئن ناک کونسی ہے؟

ناک سے ہماری مراد سونگھنے کا عضو ہے جو مختلف جانداروں میں مختلف قسم اور شکل کا ہوتا ہے۔ انسان کے ہاں تو ناک ہوتی ہے لیکن کیڑے مکوڑے فیلرز (Feelers) سے ناک کا کام لیتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ بعض کیڑے حیران کن طور پر سونگھنے کی قوت کے مالک ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی اگر کسی دوسرے چھتے میں گھس جائے تو فوراً پہچان لی جاتی ہے۔ چھتے کی پہریدار مکھیاں غیر کی بُو پاتے ہی خبردار ہو جاتی ہیں اور حملہ آور کو موقعہ پر پکڑ کر جان سے مار ڈالتی ہیں۔ بعض چیونٹیاں بھی اپنے ساتھیوں کو صرف سونگھ کر ہی پہچان لیتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اگر یہ سونگھنے کے عضو کاٹ دیئے جائیں تو یہی چیونٹیاں ایک دوسرے پر غصّے سے پل پڑتی ہیں۔ شاید کیڑوں کی دنیا میں سونگھنے کے لحاظ سے چیمپئن پتنگا ہے۔ کون شخص اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ پتنگا ایک خاص موسم میں اپنی مادہ کو دو میل سے زیادہ فاصلہ پر سے سونگھ کر پتہ لگا سکتا ہے۔ ہم اکثر خیال کرتے ہیں کہ سانپ کے ہاں ناک نہیں ہوتی۔ یہ بات غلط ہے۔ سانپ غیر معمولی طور پر قوتِ شامّہ کا حامل ہے۔ اس کی زبان ہوا میں سے سونگھنے والے ذرات کو پکڑ کر اس کی مدد کرتی ہے۔ بعض قسموں کے سانپ مثلاً کالا امریکن ناگ وغیرہ صرف سونگھنے کی طاقت کے بل بوتے پر ہی اپنا شکار حاصل کرتے ہیں۔ بعض چوپایوں میں بھی یہ قوت بہت تیز ہوتی ہے۔ جنگلی بیلوں

طالیس کے نزدیک دنیا کا بنیادی جوہر پانی ہے۔ یعنی اس کے نزدیک دنیا کی ہر چیز پانی سے بنی ہے اور پانی ہی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔

انکزا امینیز کے نزدیک دنیا کا بنیادی جوہر پانی نہیں بلکہ ہوا ہے۔ اور انکزا امینڈر کے نزدیک دنیا کا بنیادی جوہر نہ پانی ہے اور نہ ہوا بلکہ یہ ایک ایسا ہیولہ ہے جو جب تک ہیولہ کی صورت میں رہے تو اس میں کسی خاص شے (پانی یا ہوا یا آگ) کی تمیز نہیں کی جا سکتی لیکن بالقوی اس میں یہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ جب یہ ہیولہ اپنی حرکت کے نتیجہ میں تقسیم ہوتا ہے تو مختلف عناصر اس سے جدا ہو کر مختلف اشیاء کو جنم دیتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر چیز جب ختم ہوتی ہے تو اسی ہیولہ کا حصہ بن جاتی ہے۔ البتہ ان فلسفیوں میں سے ہر ایک کے نزدیک تغیر جس کے نتیجہ میں بنیادی جوہر مختلف اشکال اختیار کرتا ہے کی نوعیت جداگانہ ہے۔ طالیس کے نزدیک یہ محض سیدھا سادہ تغیر ہے جس کے نتیجہ میں پانی ایک چیز سے دوسری اور دوسری سے تیسری میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ انکزا امینڈر کے نزدیک تغیر کا مطلب تقسیم ہے۔ اس کے نزدیک بنیادی ہیولہ گردش کے نتیجہ میں مختلف عناصر میں تقسیم ہوتا ہے اور ان سے پھر آگے دوسری اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ انکزا امینیز کے نزدیک تغیر ہوا کے پھیلنے اور سکڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

فیثا غورث اور اس کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے فلسفیوں میں بھی جوہر کا مسئلہ بنیادی مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ان میں اور ملائیشینز میں[4] ایک بنیادی فرق

[4] Milesians یعنی طالیس، انکزا امینڈر، انکزا امینیز

ہے۔ طالیس اور اس کے ساتھی جوہر کو ایک مادی چیز تسلیم کرتے ہیں لیکن فیثا غورث اور اس کے ساتھی بنیادی جوہر کو غیر مادی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ جوہر جس سے دنیا بنتی اور قائم رہتی ہے وہ پانی یا ہوا کی طرح مادی نہیں بلکہ وہ حساب کے نمبروں کی طرح غیر مادی ہے اور یہ بنیادی جوہر ہے توازن، یکسانیت، ہم آہنگی، ربط باہمی جس میں عالم کا نظام پرویا نظر آتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ بنیادی جوہر ہے حساب۔ حساب کے قوانین پر سارا نظام عالم قائم ہے۔ عالم کے وجود کو قائم رکھنے والے وہ چند حسابی اصول ہیں جنہوں نے اس کو ایک نظام میں پرویا ہوا ہے۔

ہرقلیطوس میں جوہر کا سلسلہ اہم نہیں رہتا بلکہ تغیر کا مسئلہ زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس قدر اہمیت کہ اس کے نزدیک ہر چیز تغیر پذیر ہے بلکہ تغیر ہی دنیا کی حقیقت ہے۔[5] اگرچہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ آگ دنیا کا بنیادی جوہر ہے لیکن وہ آگ کو بھی اسلئے بنیادی جوہر کہتا ہے کہ اس کے نزدیک وہ تغیر کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ دراصل آگ اس کے نزدیک تغیر کا Symbol ہے اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکے نزدیک تغیر (Change) ہی دنیا کی حقیقت اور یہی دنیا کا بنیادی جوہر ہے۔

اس انتہائی صورت کا ردِ عمل ایلیا کے پارمینڈیز (Parmanides) میں ہوتا ہے جو سرے سے تغیر کا انکار کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک تغیر — کسی قسم کا تغیر بھی — ناممکنات میں سے ہے۔ یہ کہ ایک چیز

[5] برگساں اور اقبال کے وقت کے فلسفے کی جو لہیں ہرقلیطوس کے فلسفہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

تا ۴۲۵ ق م۔

۴۹۵ ق م میں ایمپیڈوکلیز ایگریجنٹم (Agregentum) سسلی میں پیدا ہوا۔ یہ ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کو اپنے علاقہ کی بادشاہت کی پیشکش کی گئی لیکن اس نے نامنظور کر دی۔ آخر میں اس کو ملک بدر کر دیا گیا اور اسی بے وطنی کی حالت میں یہ پیلاپونیز (Pelaponese) میں ۴۲۵ ق م میں فوت ہوا۔ یہ نہ صرف ایک فلسفی بلکہ شاعر، ڈاکٹر، نیچر، مقرر اور بہت بڑا سیاست دان بھی تھا۔

(۱۱) انیکزاگورس (Anaxagoras) ۵۰۰ ق م تا ۴۲۸ ق م۔ کلیزامینیا (Clazamenea) میں پیدا ہوا اور ایتھنز میں آ کر آباد ہو گیا لیکن تیس سال کے بعد اس پر دہریت کا الزام لگایا گیا اور یہ ایتھنز کو چھوڑ کر لیمپساکس (Lampsacus) چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ یہ نہ صرف ایک مشہور فلسفی بلکہ بہت بڑا حسابدان اور ماہر علم الافلاک بھی تھا۔

(۱۲) دیماقریطوس (Democretus) ۴۶۰ ق م تا ۳۷۰ ق م۔ ابدیرا (Abdera) میں پیدا ہوا۔ اپنی زندگی میں بہت سے سفر کئے۔ اور حساب، طبیعیات، مابعد الطبیعیات، تاریخ اور اخلاقیات پر کتب لکھیں۔

—— (۲) ——

طالیس (Thales) سے سوفسطائیت تک کے فلسفہ کے دور کو ہم قدرتی فلسفہ (Natural Philosophy) کا دور کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے فلسفہ کی یہ خصوصیت ہے کہ تحقیق کا زور زیادہ تر خارجی عالم کی توجیہہ اور تشریح پر صرف ہوتا ہے۔ انسانی کردار سے جو دلچسپی ہے وہ محض ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ طالیس اپنے فلسفہ کی ابتداء اس سوال سے کرتا ہے کہ دنیا کس چیز سے بنی ہے؟ یا دنیا کا بنیادی جوہر کیا ہے؟ طالیس نے جس زمانہ میں یہ سوال اٹھایا اس میں عالم کی پیدائش اور نوعیت کے متعلق صرف توہمات پائے جاتے تھے۔ یہ یورپ کا پہلا انسان تھا جس نے دنیا کے بارہ میں سب سے پہلی بار انسان کے سامنے ایک سائنٹیفک سوال رکھا اور اسی میں اس کی بڑائی مضمر ہے۔

طالیس نے جب یہ سوال اٹھایا تو اسکے ذہن میں دو باتیں تھیں:۔

۱۔ دنیا کسی ایک چیز سے بنی ہے۔

۲۔ دنیا ترقی کے مدارج میں سے ہو کر بنی ہے۔[۱]

اس لحاظ سے اس سوال کے دو پہلو تھے:۔

۱۔ دنیا کا جوہر (Substance) کیا ہے؟

۲۔ تغیر (Change) کی نوعیت کیا ہے؟

ان میں سے ہر ایک سوال اپنی ذات میں ایک مستقل سوال ہے۔ یہ دونوں سوال دو ایسے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں یعنی جوہر اور تغیر یا وقت کے مسائل جن سے آج تک فلسفی نبرد آزما ہوتے رہتے ہیں۔ تاہم جوہر کا مسئلہ طالیس اور اس کے دو ساتھیوں انکزا مینڈر اور انکزامینیز کے لئے زیادہ اہم تھا۔ تغیر کے مسئلہ سے وہ واقف ضرور تھے لیکن اس کی اہمیت کا احساس انہیں پورے طور پر نہیں تھا۔

---

[۱] ارتقاء کے متعلق غالباً یہ پہلا تصور تھا جو انسانی ذہن میں پیدا ہوا۔

کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں لیکن پارمینڈیز اور اس کے ساتھی بھی درست تھے کیونکہ جہاں تک تغیرِ مطلق (Absolute Change) کا تعلق ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کوئی چیز ایک ہیئت چھوڑ کر دوسری ہیئت اختیار نہیں کر سکتی کیونکہ یہ بات عدم وجود کو چاہتی ہے اور عدم وجود سے وجود میں نہیں آیا جا سکتا۔ تاہم دنیا میں اضافی تغیر (Relative Change) پایا جاتا ہے اور اسی تغیر کی وجہ سے دنیا میں مختلف اشیاء بھی پائی جاتی ہیں۔ کثرتیت اور اضافی تغیر کے قائل فلسفی یہ تھے۔ اینباڈقلیس (Empedocles)، انکزاگورس (Anaxagoras) اور دیماقریطوس (Democretus) ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے رنگ میں اضافی تغیر اور بنیادی جوہر کی تشریح کی ہے۔

اینباڈقلیس کے نزدیک دنیا میں چار بنیادی عناصر پائے جاتے ہیں جن کو وہ 'Roots' یا جڑھیں کہتا ہے یہ ہیں مٹی، پانی، ہوا اور آگ۔ دنیا میں مختلف چیزیں انہی چار عناصر کے امتزاج سے بنی ہیں۔ ہر چیز میں ہر عنصر اس کی خاص نسبت سے پایا جاتا ہے اور عالم کی اشیاء میں جو فرق ہے وہ ان مخصوص نسبتوں ہی سے پیدا ہوتا ہے جس میں یہ عناصر مختلف اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر اشیاء میں جو باہمی اختلاف پایا جاتا ہے اس کی توجیہہ کے لئے کسی تغیرِ مطلق کو ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اتنا ماننا کافی ہے کہ جب یہ عناصر مختلف نسبتوں میں ملتے ہیں تو مختلف اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ یا یہ کہ جب عناصر کی باہمی نسبتیں گھٹتی یا بڑھتی ہیں تو اشیاء میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے لیکن محض ایک اضافی تبدیلی۔ کیونکہ اس تبدیلی کے دوران کوئی عنصر بنیادی طور پر تبدیل نہیں ہوتا بلکہ عنصر تبدیل ہوتا ہی نہیں۔ صرف ان کی نسبتیں بدلتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک نسبت میں کچھ رنگ ملائے جائیں اور ایک رنگ حاصل کر لیا جائے اور پھر کسی دوسری نسبت میں رنگ ملائے جائیں اور ایک اور رنگ حاصل کر لیا جائے۔

انکزاگورس بھی پارمینڈیز کے ساتھ اس بات میں اتفاق کرتا ہے کہ تغیرِ مطلق ناممکن ہے تاہم دنیا میں تغیر اضافی ضرور پایا جاتا ہے۔ عناصر مختلف نسبتوں میں ایک دوسرے سے ملتے اور جدا ہوتے ہیں اور اس عمل کے نتیجہ ہی میں دنیا میں مختلف اشیاء پیدا ہوتی اور ختم ہوتی ہیں لیکن انکزاگورس کے نزدیک یہ بنیادی عناصر چار نہیں ہیں بلکہ ان کی تعداد لامحدود ہے۔ اور ہر عنصر اپنی صفات میں دوسرے عناصر سے مختلف ہے۔ جتنی قسم کی اشیاء دنیا میں پائی جاتی ہیں اتنے ہی عناصر بھی ملتے ہیں۔ ایک شے دوسری شے میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن ایک عنصر دوسرے عنصر میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ پیدا ہو سکتا ہے نہ ختم۔

دیماقریطوس کے نزدیک بھی دنیا میں لامحدود عناصر پائے جاتے ہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور اشیاء میں جن کی نسبتوں کی تبدیلی ان اشیاء میں تغیر اضافی پیدا کرتی ہے۔ لیکن اس کے نزدیک یہ عناصر اپنی صفات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں بلکہ ایک ہی جیسے ہیں۔ یہ صرف اپنی کمیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں یعنی اپنے حجم، اپنی جسامت اور اپنی شکل و صورت

دوسری چیز میں تبدیل ہو جائے اس کے تصور کے لحاظ
سے ناممکن ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ہمیں چیزیں تبدیل
ہوتی نظر آتی ہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ نظر کا دھوکا ہے
منطقی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ ناممکن ہے کہ ایک
چیز دوسری میں بدل جائے۔ کیونکہ قبل اس کے کہ اُ، ب
میں تبدیل ہو ضروری ہے کہ اُ، اُ نہ رہے۔ اور جب
اُ، اُ نہیں رہے گا تو اس کا وجود بھی نہیں رہے گا۔
اور یہ ناممکن ہے کہ عدم وجود سے کوئی چیز وجود میں
آجائے۔[۵] پارمینڈیز اور اس کے ساتھی زینو کے نزدیک
تغیر اور حرکت ہم معنی الفاظ ہیں لہٰذا اس کے نزدیک
نہ صرف یہ کہ تغیر ممکن نہیں بلکہ حرکت بھی ممکن نہیں[۶]۔ تغیر
کی طرح حرکت بھی نظر کا دھوکہ ہے حقیقت میں صرف
ایک وسیع و عریض غیر متحرک اور غیر متبدل مواد پایا
جاتا ہے جس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ ابتداء۔ حواس و
ادراک اس کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ ذہن اور عقل ہی کے
ذریعہ سے اس کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے پارمینڈیز
یورپ کا پہلا عقلیت پسند (Rationalist) ہے

[۵] یونانیوں کے لئے یہ تصور مشکل تھا کہ عدم سے کوئی چیز پیدا
ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے:۔

Nihil ex nihilo

یعنی from nothing
nothing comes

(عدم سے صرف عدم ہی پیدا ہو سکتا ہے)

[۶] مائیلیس تغیر کا قائل نہیں لیکن حرکت کا قائل ہے۔ وہ خلاء کا
بھی قائل ہے لیکن زینو اور پارمینڈیز نہ حرکت کے قائل ہیں نہ
خلاء کے۔

بعض کے نزدیک وہ مادہ پرست بھی ہے۔ تاہم اس کو
مادہ پرست کہنا اسلئے غلط ہوگا کہ اس کے ذہن میں مادیت
اور غیر مادیت کے فرق کی تمیز ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔
طالیس اور اس کے ساتھی وحدتی[۱] فلسفی تھے کیونکہ
ان میں سے ہر ایک کے نزدیک دنیا کا جوہر ایک ہی تھا۔ تاہم
وہ کثرتیت[۲] کے بھی قائل تھے۔ کیونکہ وہ تسلیم کرتے تھے کہ عالم
میں مختلف اشیاء حقیقتاً پائی جاتی ہیں اگرچہ ان کا اصل الاصول
ایک ہی ہے۔ اور یہ وحدت و کثرت ساتھ ساتھ اس لئے
چلتی ہیں کہ دنیا میں تغیر کی بھی ایک حقیقت ہے۔ تغیر
جو وحدت سے کثرت پیدا کر دیتا ہے ـــــ پارمینڈیز نے
ثابت کیا کہ تغیر ناممکن ہے لہٰذا وحدت سے کثرت پیدا
نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا دنیا میں صرف ایک ہی چیز ہے۔ بعد کے
آنے والے فلسفیوں کے لئے اس صورت حال نے عجیب
مشکل پیدا کر دی۔ ان کے لئے زینو اور پارمینڈیز کے دلائل
کے ہوتے ہوئے تغیر کی عدم حقیقت سے انکار کرنا بھی مشکل
تھا اور دوسری طرف اس بات کو تسلیم کرنا بھی مشکل تھا کہ
انواع و اقسام کی اشیاء جو ہمیں نظر آتی ہیں ان کی کوئی
حقیقت نہیں اور جو کچھ علم ہم حواس کے ذریعہ حاصل
کرتے ہیں وہ محض دھوکہ ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کیلئے
انہوں نے ایک درمیانی راہ اختیار کی۔ انہوں نے کہا کہ
مائیلیزینز (Milesians) بھی یہ بات کہنے میں درست
تھے کہ دنیا میں مختلف اشیاء پائی جاتی ہیں اور تغیر و تبدل

[۱، ۲] وحدتیت یا Monism کے نزدیک حقیقت
صرف ایک ہے اور Pluralists کثرتیت کے
قائل لوگوں کے نزدیک حقیقت ایک سے زائد ہوتی ہے۔

۴- زیادہ تر یہ فلسفہ وحدی (Monistic) ہے۔ یہ صرف ایک ہی اصول پر تمام عالم کی توجیہہ کرتا ہے۔ لیکن یہ کثرتیت —— (Pluralism) کا بھی حامل ہے۔ کیونکہ سوائے پارمینڈیز اور اس کے بعض ساتھیوں کے باقی تمام فلسفی ایک سے زیادہ اشیاء کی حقیقت کے قائل ہیں۔ اگرچہ وہ اشیاء کی حقیقت کی توجیہہ بنیادی طور پر ایک ہی اصول کے مطابق کرتے ہیں۔

۵- پانچویں خصوصیت اس فلسفہ کی یہ ہے کہ اگرچہ یہ زیادہ تر دو مسائل سے متعلق ہے یعنی جوہر (Sixhstana) اور تغیر (Change) کا مسئلہ۔ تاہم دیگر مسائل اور عناوین پر بھی اس میں بحثیں ملتی ہیں۔ مثلاً تجربیت (Empiricism) اور عقلیت (Rationalisim) کے درمیان جو جنگ جاری ہے اس کے اثرات ہمیں پارمینڈیز اور ایناڈ قلیس وغیرہ میں ملتے ہیں۔ فیثاغورث اور زینو خونیز میں خاص طور پر مذہبی مسائل اور فیثاغورث، ہرقلیطوس اور دیما قریطوس میں خاص طور پر اخلاقی موضوعات پر بحثیں ملتی ہیں۔ فیثاغورث تناسخِ ارواح اور لافانیت ارواح کا خاص طور سے اور بڑی شدت سے قائل ہے۔ غالباً فلسفہ میں ہمیں پہلی بار تناسخ کا ذکر فیثاغورث ہی میں ملتا ہے۔ اخلاقی عقلیت[1] کا دیما قریطوس خاص طور پہ قائل ہے۔ طالیس میں ارتقاء کا نظریہ مبہم رنگ میں ملتا ہے اور اس سے زیادہ واضح طور پر خصوصاً انکسا امینڈر اور انکسا مینیز میں پایا جاتا ہے۔ ویسے سوائے پارمینڈیز اور اس کے ساتھیوں کے سبھی فلسفی ارتقاء کے قائل ہیں۔ زینو (Zeno) میں فلسفہ کے منطقیانہ پہلو زیادہ نمایاں ہیں اور ایناڈ قلیس، ہرقلیطوس وغیرہ نے نفسیات کے موضوعات کو بھی چھیڑا ہے۔ ادراک کے متعلق ایناڈ قلیس کا نظریہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش عالم کی تفصیلات پر تقریباً ہر فلسفی نے اپنے رنگ میں بحث کی ہے۔

غرض فلسفہ یونان کا یہ دور اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ فلسفہ کے بہت سے موضوعات پر اس دور میں کچھ نہ کچھ مواد ملتا ہے اور بہت کم ایسا مواد ہے جو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بے معنی ہے +

---

[1] اخلاقی عقلیت، اخلاقی معیار کی بنیاد عقل پر رکھتی ہے۔ اسکے نزدیک اخلاقی امور میں عقل کی راہنمائی کافی ہے +

کے اعتبار سے یعنی کوئی گول ہے، کوئی مخروطی، کوئی تکونی کوئی بڑے کوئی چھوٹے وغیرہ وغیرہ۔ انکزا مینڈر کے نزدیک عناصر کو لا محدود اجزاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دیما قریطوس کے نزدیک عناصر کو اس طرح اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے دیکھا کہ طالیس سے ہرقلیطوس تک تمام کے تمام فلسفی اس بات کے قائل تھے کہ اشیاء میں جو تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے وہ کسی بیرونی قوت کا مرہون منت نہیں۔ بلکہ ہر شے میں بذاتِ خود تبدیل ہونے اور تغیر پذیر ہونے کی قوت موجود ہے (ہرقلیطوس کے نزدیک تو یہی ایک قوت ہے جس کی حقیقت ہے، اشیاء تو محض ضمنی حیثیت رکھتی ہیں) دیما قریطوس اگرچہ اس بات کا قائل ہے کہ تغیر محض ناممکن ہے لیکن اس کے نزدیک وہ قوت جس کے نتیجہ میں تغیر اضافی پیدا ہوتا ہے وہ عناصر میں بذاتِ خود موجود ہے یعنی یہ عناصر متحرک ہیں[1] - اور حرکت میں ہونے کے نتیجہ ہی میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے ہوتے اور ایکدوسرے سے جدا ہوتے ہیں لیکن ایپاڈقلیس (Empedocles) اور انکزاگورس کے نزدیک اشیاء میں بذاتِ خود کوئی ایسی قوت موجود نہیں جو اشیاء میں تغیر پیدا کر سکے۔ ہر دو کے نزدیک وہ قوت جو اشیاء میں اضافی تغیر پیدا کرتی ہے کوئی بیرونی محرک ہے۔

ایپاڈقلیس کے نزدیک محرکات دو طرح کے ہیں - ایک مثبت محرک جس کو وہ محبت کہتا ہے اور جو عناصر کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتا ہے اور دوسرا منفی محرک جس کو وہ نفرت کہتا ہے - اور جو عناصر کو ایکدوسرے سے علیحدہ کرتا ہے - انکزاگورس کے نزدیک - بیرونی محرک ایک ہی ہے یعنی ذہن یا Mind - یہی عناصر کو جدا کرتا اور یہی ان میں ربط قائم کرتا ہے۔

یہ مناسب ہوگا کہ اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اس دور کے فلسفہ کی جو بعض نمایاں خصوصیات ہیں ان کا جائزہ بھی لے لیا جائے۔

۱- اوّل یہ کہ اس دور کا فلسفہ زیادہ تر عالم کی حقیقت اور اس سے متعلقہ امور سے تعلق رکھتا ہے - انسان سے تعلق رکھنے والے مسائل محض ضمنی طور پر زیر بحث آتے ہیں۔

۲- دوسرے یہ کہ سوائے دو فلسفیوں یعنی ایپاڈقلیس اور انکزا مینڈر کے باقی ہر فلسفی کے نزدیک عالم، یا قدرت، یا نیچر جو بھی آپ کہہ لیں اپنی ذات میں زندہ ہیں اور کسی بیرونی قوت کے محتاج نہیں۔

۳- تیسرے یہ کہ یہ فلسفہ زیادہ تر وجودیاتی ——— (Ontological) ہے - یعنی اس کا تعلق اس سوال سے ہے کہ اشیاء کا اصل یا جوہر (Essence) کیا ہے - یہ اصل کا مسئلہ ارسطو میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے -

---

[1] دیما قریطوس خلاء کا قائل ہے جس میں ایٹم حرکت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ پارمینڈیز اور انکزاگورس خلاء کے قائل نہیں۔

کی ایک قسم اتنے حساس ناک رکھتی ہے کہ ہوا کے اندر خفیف سی بھیڑیے کی بُو پاکر وہ بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح سرپٹ دوڑ پڑتے ہیں۔ ہرن بھی اپنی قوتِ شامہ کے طفیل شکاریوں سے اپنی جان بچاتے ہیں۔ ہرن ہو یا بارہ سنگا اگر ہوا کا رُخ اس کی طرف ہو تو شکاری کیلئے اُسے شکار کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ وہ شکاری کو دُور سے ہی سونگھ کر اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ ریچھ بھی بہت حساس ناک رکھتے ہیں۔ الاسکا کے بھورے ریچھ جو سب سے زیادہ گوشت خور ہوتے ہیں اتنی تیز قوتِ شامہ رکھتے ہیں کہ انسان کی خفیف سی بُو بھی جو راستے سے گزرنے کے بعد ہوا میں موجود رہتی ہے پا کر وہ پوری رفتار سے اس کا تعاقب شروع کر دیتے ہیں۔

پھر اس عظیم الجثہ جانور کو لیجیے جس کی ناک لمبائی میں کافی بڑی ہوتی ہے۔ میری مراد ہاتھی سے ہے۔ جس کی سونڈ اس کی ناک ہے اور اس کے ایک سرے پر نتھنے ہوتے ہیں۔ جب ایک جنگلی ہاتھی اپنی سونڈ اُوپر اُٹھا کر ہوا میں آہستہ آہستہ اِدھر اُدھر گھماتا ہے تو وہ ہوا میں خطرے کی بُو کو محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ بس شکاری صرف اُسی صورت میں اُن تک پہنچ سکتا ہے جبکہ ہوا کا رُخ ہاتھیوں کی طرف سے شکاری کی جانب ہو۔ لیکن اگر ہوا کا رُخ اُلٹ ہو یعنی ہاتھیوں کی جانب ہو تو وہ کئی میل کے فاصلے سے ہی آدمی کی بُو سونگھ لیتے ہیں۔

اب ایک ایسے جانور کی ناک کا حال سُنیے جس کے کام سے سب واقف ہیں۔ یعنی شکاری کُتے۔ یہ کُتے لاپتہ لوگوں کا کھوج لگا لیتے ہیں۔ خاص طور پر مفرور مجرموں کا کھوج لگانے میں تو یہ بہت ماہر ہوتے ہیں۔ اگر کسی ایسے مفرور مجرم کا جوتا یا کپڑے ایسے کُتے کو سونگھنے کے لیے دیئے جائیں یا اس کے پاؤں کے نشانات ایسے کُتے کو دکھا دیئے جائیں تو وہ اسی کو سونگھ کر اُس کا تعاقب شروع کر دیتا ہے خواہ پاؤں کے نشانات کلیۃً مٹ گئے ہوں یا مفرور باڑوں کو پھلانگتا ہوا اور کھیتوں پر چڑھتا ہوا یا مویشیوں کے گلّے میں سے گزرتا ہوا جائے۔ پھر اگر وہ دوسرے آدمی کے پاؤں کے نشانات پر چلتا ہوا جائے یا اپنے پاؤں کے نشانات کو مٹاتا چلا جائے تو بھی کچھ فرق نہیں پڑتا اور ایسے حربے بھی اس جانور کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ایسے شکاری کُتوں کو انگریزی میں بلڈ ہاؤنڈز (Blood Hounds) کہتے ہیں۔ اور چونکہ قدرت کی طرف سے اس جانور کو عجیب اور حیران کُن طور پر عجیب قوتِ شامہ عطا ہوتی ہے اسلئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس جانور کے متعلق بعض غلط باتیں جو مشہور ہو گئی ہیں ان کی وضاحت کر دی جائے۔ سب سے پہلے یہ بات جو کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ جانور انسانی خون کا پیاسا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ وہ لوگوں کا کھوج اس لیے لگاتا ہے کہ وہ ان کو پسند کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کا کھوج لگا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ایسے کُتوں کو خاص طور پر سدھایا جائے وہ انسان پر حملہ نہیں کرتے بلکہ وہ تو اس کے قریب آ کر ہاتھ کو چاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک اور غلط فہمی ان کُتوں

کے متعلق یہ ہے کہ وہ کھوج لگاتے وقت ہمیشہ اپنی ناک زمین سے قریب تر رکھتے ہیں۔ چونکہ انسان کی بُو صرف پاؤں کے نشانات میں ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کے اُوپر ہوا میں موجود رہتی ہے اس لئے یہ ناک کو اوپر اُٹھا کر ہی تعاقب کرتے ہیں۔ پھر ایک بات یہ بھی مشہور ہے کہ اگر انسان پانی میں سے گزر جائے تو یہ کتے تعاقب کرتے وقت پریشان ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ چونکہ انسانی بُو پانی کی سطح کے اُوپر ہوا میں اُسی طرح موجود ہوتی ہے جس طرح خشکی میں زمین سے اُوپر اس لئے کتّوں کو تعاقب میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی بلکہ وہ پانی میں تیر کر تعاقب جاری رکھتے ہیں۔ ان شکاری کتّوں کی ناک اتنی عجیب و غریب ہے کہ اگر موسم خوشگوار ہو تو یہ دو چار دن کے بعد بھی مفرور کا تعاقب کر سکتے ہیں اور ایک سو میل تک تعاقب جاری رکھ سکتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک ایسے ہی کُتے نے کھوجیوں کی ۱۳۸ میل تک رہنمائی کر کے مفرور کو پکڑوا دیا۔ ایک اور کتے نے ۶۰۰ مجرموں کا کھوج لگا کر انہیں جیل پہنچایا۔ ان کتوں کی قوتِ شامہ کی افادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صرف یہی ایسا جانور ہے جس کی قوتِ شامہ سے مجرموں کی شناخت کو عدالتیں بھی تسلیم کرتی ہیں۔ ایک اور خوبی ان کُتوں میں یہ ہے کہ ان کی ناک زمین دوز گیس کی نالیوں میں سوراخ کا کھوج لگانے میں میٹر سے بھی زیادہ قابلِ اعتماد پائی گئی ہے۔ ایک جگہ ایک دفعہ ایسے ہی کتوں نے تین میل لمبی پائپ لائن کا معائنہ کیا جس کا معائنہ پہلے سائنسی آلات سے کیا جا چکا تھا اور اسی طرح چند ایسے سوراخوں کا پتہ لگایا جن کو گیس میٹر بھی معلوم نہ کر سکے تھے۔

شکاری کتوں کی قوتِ شامہ کے متعلق معلومات

حاصل کرنے کے بعد شاید ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ انسانی ناک افادیت کے لحاظ سے بہت کم درجہ کی ہے۔ مگر ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ خوبی صرف انسانی ناک میں ہے کہ وہ کم و بیش دس ہزار مختلف قسم کی بُوئیں تمیز کر سکتی ہے۔ بہت سے پیشہ ور پرفیومر سات ہزار مختلف قسم کی بُوئیں عملی طور پر تمیز کر لیتے ہیں۔ قوتِ حافظہ اور قوتِ شامہ میں گہرا تعلق ہوتا ہے۔ در حقیقت ایک قسم کی بُو بعض دفعہ بھولے بسرے واقعات کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ پس سونگھنا ایک ایسا غیر معمولی اور پیچیدہ عمل ہے جس میں ناک اور دماغ دونوں کام کرتے ہیں۔ انسانی ناک کے متعلق آرتھر ڈی کمپنی کے ڈاکٹر آر۔ایچ ہیز اور اس کے ساتھیوں کی تحقیق یہ ہے کہ ہمارے ہر نتھنے میں ایک ہڈی (bulb) ہوتی ہے جو کہ انگوٹھے کے آخری حصے کے برابر بڑی ہوتی ہے۔ یہ ہڈی ۱۹۰۰ چھوٹے چھوٹے "ٹیلیفون ایکسچینجوں" سے مل کر بنی ہے جنہیں گلومرولی (Glomeruli) کہتے ہیں۔ اور جن میں سے ہر ایک ۲۴ موٹی موٹی اقسام کی بُوؤں کے مجموعے کے متعلق اطلاعات دماغ کو بہم پہنچاتی ہے۔ اس طرح مختلف قسم کے ان ۲۴ گروہوں سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ قسم کی بُو کو سونگھا جا سکتا

ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس نئی تھیوری کے مطابق انسانی ناک ایک کروڑ ساٹھ لاکھ قسم کی بُو میں تمیز کر سکتی ہے۔

پس آپ نے دیکھ لیا کہ انسانی ناک بھی عجیب و غریب خوبیوں کی حامل ہے۔ ایک تندرست ناک انسان کے لئے بے شمار خوشیوں کا باعث ہے اس لئے کہ دنیا میں ہزاروں قسم کی خوشبوئیں ہیں جن سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مثلاً گلاب کے پھول کی مہک جو صبح کے وقت ہم سونگھتے ہیں، تازی کے پیالے کی کیتلیں، بھُنے ہوئے مرغ کی خوشبو وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ تندرست ناک اور کامل صحت کی ساتھ اس دنیا میں جینے کا مزا کتنا فرحت انگیز ہے ؟

(ترجمہ)

شعبۂ اشاعت مرکزیہ

مجالسِ خدام الاحمدیہ کے صفحات

مجلس خدام الاحمدیہ مالیر کی شاندار مساعی

صدرِ مجلس کا اظہارِ خوشنودی

۲۱ رمئی ۱۹۶۴ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مالیر کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے ٹھیک ایک ماہ بعد مؤرخہ ۲۱ رجون ۶۴ء کو محترم جناب صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے اس مجلس کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر اشفاق حسین صاحب قائد مجلس مالیر نے کارگزاری کی جو رپورٹ پڑھ کر سنائی اس کا بہت مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔ یہ اس نئی مجلس کے قیام کے بعد پہلے مہینے کی رپورٹ ہے:۔

تمام مجلس عاملہ کی تشکیل کی گئی اور مرکز سے منظوری حاصل کرنے کے بعد کام شروع کر دیا گیا۔ چونکہ خدام کی رہائش بہت دُور دُور ہے اس لئے رابطہ قائم کرنا مشکل ہوتا ہے تاہم کُل ۵۴ خدام کو چھ احزاب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے لئے اِس مجلس نے ایک مختصر سا دفتر قائم کیا ہے جہاں عہدیدارانِ مجلس آکر کام کرتے ہیں۔ دفتر میں ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ نیز خدام کے لئے سلسلہ کی مطبوعات کے علاوہ الفضل، تشحیذ، خالد اور الفرقان مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مرکز سے آمدہ خطوط کے جواب کے علاوہ ۲۰ متفرق خطوط لکھے گئے۔ مردم شماری کے سلسلہ میں خدام نے بہت کام کیا۔ ۲۰ میل کے علاقہ میں پھیلے ہوئے گھروں میں پہنچ کر خدام نے سارا کام بسرعت مکمل کیا۔ اِس ماہ ۲۰ ایسے خدام سے تعارف حاصل کیا گیا جن کا اس سے قبل مجلس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ سب خدام کے کوائف حاصل کر کے تجنید کے رجسٹر میں درج کئے گئے۔ نماز کے لئے دو مراکز قائم کئے گئے جہاں باقاعدگی سے درس ہوتا ہے۔ خدام میں خدمتِ دین کا شوق پایا جاتا ہے۔ خدام کو ذاتی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اِس حلقہ کے ایک خادم کو ایک ماہ قبل اس کے والدین نے بعض کمزوریوں کی وجہ سے ناقابلِ اصلاح سمجھ کر سزا کے طور پر گھر سے نکال دیا تھا۔ اِس طریق کو نادرست خیال کرتے ہوئے مجلس نے اسے اپنی نگرانی میں لے لیا اور قریباً ایک ماہ سے اس کے قیام و طعام کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس خادم نے نمازیں ادا کرنی

شروع کر دی ہیں اور رُوبہ اصلاح ہے ۔ ۷ مختلف کتب تقسیم کی گئیں ۔ مجلس میں ایک دار المطالعہ عطیہ جات کی بنیاد پر قائم کیا جا رہا ہے ۔ اس وقت تک کُل ۸۶ کتب اور ۵۲ پرانے رسالے حاصل کئے گئے ہیں ۔ اطفال کی تنظیم کرنے کے بعد ان میں عہد نامہ لکھ کر تقسیم کیا گیا تا وہ اسے زبانی یاد کر لیں ۔ ایک بچے کو حفظِ قرآن مجید کے لئے تیار کیا جا رہا ہے ۔ خدمتِ خلق کے سلسلہ میں چار گھروں میں باہمی جھگڑے کو دُور کروا کے صلح کرائی گئی ۔ ایک خادم نے اپنے خاندان کے بعض افراد میں بڑی حکمت سے صلح کرائی ۔ خدام نے ۱۲ روپے بطور امداد غرباء میں تقسیم کئے ۔ ۲ خدام نے ۸ ضرورتمند افراد کو ۱۶۵ روپے بطور قرضہ حسنہ دیئے ۔ ایک ذہنی طور پر معذور دوست کی رہائش و کھانے کا انتظام کیا گیا ۔ ایک خادم ایک غریب غیر از جماعت مستحق طالب علم کو ۱۵/- روپے ماہوار تعلیمی وظیفہ دے رہا ہے ۔ بے روزگار افراد کی لسٹ مکمل کر کے مرکز میں بھجوائی گئی ۔ ان کی ملازمت کے لئے کوشش کی جا رہی ہے ۔ مجلس کے ۱۰۰ فیصد خدام نے پورا چندہ ادا کر دیا ہے ۔ ۱۴ اطفال میں سے بھی ۱۳ نے چندہ ادا کر دیا ہے ۔

یہ رپورٹ سُننے کے بعد محترم صدر صاحب مجلس مرکزیہ نے اس پر جو تبصرہ فرمایا وہ افادۂ عام کی غرض سے درج کیا جاتا ہے تا دیگر خدام بھی اس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھائیں ۔ محترم صدر صاحب نے فرمایا :-

"مجلس خدام الاحمدیہ ملیر کی جو رپورٹ اس وقت یہاں پیش کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت خوش کن ہے اور مجھے یہ باتیں معلوم کر کے اور یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی اس لئے نہیں کہ وہ کام کوئی بہت بڑا ہے یا اگر مادی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کوئی انسان جو ظاہر بین ہو وہ اس کے متعلق یہ فیصلہ کر سکے کہ اس کام کے نتیجہ میں کوئی بہت بڑا اثر اور کوئی انقلاب پیدا ہو سکتا ہے لیکن اگر انسان کو روحانی آنکھ دی جائے اور وہ اس کام کے پیچھے جو جذبہ ہے اُس جذبہ کو دیکھ سکے تو اُس کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ خدا کے مامور کی جماعت ہے جس کے دل میں دین کی ہمدردی پائی جاتی ہے ۔ اور اُن سب کاموں کے پیچھے یہ جذبہ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اسلام کو غلبہ حاصل ہو اور خدا کا مقصد دُنیا میں پُورا ہو اور اُسی کی حکومت دنیا میں قائم ہو ۔ جس قوم کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کیا کرتا ۔ تو مجھے اس رپورٹ کو سُن کر بہت خوشی ہوئی ہے ۔ کئی لحاظ سے یہ رپورٹ ایسی ہے کہ ہماری جو بڑی بڑی مجالس ہیں اُن کے لئے بھی یہ قابلِ تقلید ہو سکتی ہے ۔ سب سے بڑی خوشی مجھے اس رپورٹ کو سُننے سے اس وجہ سے ہوئی ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کو جو پروگرام اور لائحہ عمل مرکز کی طرف سے دیا جاتا ہے اُس پر وہ اندھا دُھند عمل نہیں کرتے بلکہ سوچتے ہیں کہ اپنے ماحول کے مطابق اس کو کس طرح ڈھالا جائے اور یہ ایک اچھی قیادت کی علامت ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہاں کی عاملہ صحیح رنگ میں کام کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ کام تھوڑا ہے اس میں کوئی شبہ

نہیں۔ اور افراد بھی تھوڑے ہیں۔ لیکن جس جذبہ کے تحت یہ کام کیا گیا ہے وہ جذبہ انشاء اللہ اُن کے کام کو ضائع نہیں ہونے دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے گا اور بیج کے طور پر اس کو بڑھائے گا اور ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ ایک بہت بڑے پھل دار درخت کی شکل اختیار کرلے گا۔ یہ پھلے گا اور پھولے گا اور دُنیا کے لئے برکت کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ اور بہت سارے لوگ اس درخت کے نیچے آرام کریں گے، اس کے پھل سے غذا حاصل کریں گے۔ یہ یقینی بات ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے نوجوان اخلاص میں، ایمان میں اور یقین میں ترقی کرتے چلے جائیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تعلیم اُن کے سامنے پیش کی تھی اُس تعلیم کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں اور سنوارنے کی کوشش کرتے جائیں"۔

اس کے بعد محترم صدر صاحب نے فرمایا تھا کہ رپورٹ خاص وقت اور خاص Period کی ہونی چاہیئے۔ کام کے تسلسل کو قائم رکھنا چاہیئے۔ جو بھی قائد آئے وہ پہلے قائد کے کام کو جاری رکھے اور اس کو بڑھانے کی کوشش کرے۔

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کی کارگزاری

جون ۱۹۶۴ء کے آخری عشرہ میں ضلع کی تین مجالس میں شعبۂ اصلاح و ارشاد کے تحت پبلک جلسوں کا انتظام کیا گیا۔ موضع کھر بیپر تحصیل قصور میں ۲۷/۶/۶۴ کو جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں منور احمد صاحب جاوید نائب قائد ضلع لاہور اور نصر اللہ خان صاحب متعلم جامعہ احمدیہ نے تقاریر کیں۔ اگلے روز موضع دھوبیہ سرٹی تحصیل چونیاں میں جلسہ ہوا۔ اس میں صفی الرحمٰن صاحب متعلم جامعہ احمدیہ، عبدالغفار صاحب متعلم جامعہ احمدیہ اور منور احمد صاحب جاوید نے تقاریر کیں۔ اجلاس کے بعد غیر از جماعت احباب کے سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔ یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ اس سے اگلے روز مورخہ ۲۹/۶/۶۴ کو موضع کوٹ محمد امیر تحصیل چونیاں میں جلسہ ہوا۔ اس اجلاس میں صفی الرحمٰن صاحب، عبدالغفار صاحب اور منور احمد صاحب جاوید نائب قائد ضلع نے تقاریر کیں۔ ان تینوں اجلاسوں میں حاضری اللہ تعالیٰ کے فضل سے تسلی بخش رہی۔ احمدی احباب اور مستورات کے علاوہ بہت سے دیگر احباب نے بھی شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ ان مساعی کو قبول فرمائے اور برکت دے۔ آمین۔

خدام الاحمدیہ لائل پور کا جذبۂ خدمتِ خلق

مکرم معتمد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور نے اطلاع دی ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک مربی صاحب کی اہلیہ صاحبہ بغرض علاج یہاں کے ایک ہسپتال میں داخل ہوئیں۔ مجلس کے خدام نے اس موقع پر مربی صاحب کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ مورخہ ۶/۲۲/۶۴ کو رات ساڑھے گیارہ بجے اچانک کمزوری بڑھ جانے پر ہسپتال والوں نے خون کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ فوری طور پر انیس خدام کو ہسپتال بھجوایا گیا۔ رات اڑھائی بجے تک خدام نے خون ٹیسٹ کروایا۔ صرف دو خدام کا خون مریضہ کے گروپ کے مطابق نکلا چنانچہ ان خدام نے دو بوتل خون دیا۔

اگلے روز صبح پھر اپریشن سے قبل خون کا مطالبہ کیا گیا۔ اس وقت گیارہ خدام ہسپتال گئے۔ ان میں سے بھی دو خدام کا خون درست تھا چنانچہ ان دو خدام نے دو بوتل خون بطور عطیہ مریضہ کے لئے دیا۔ فوری طور پر خون مل جانے سے بفضلہ تعالیٰ اپریشن کامیاب رہا۔ پہلی مرتبہ جب رات کو اتنی جلدی ۱۹ خدام خون دینے کے لئے ہسپتال پہنچ گئے تو ہسپتال کے عملہ نے حیرانی سے مولوی صاحب موصوف سے پوچھا کہ آپ اتنی جلدی ربوہ سے ان آدمیوں کو کس طرح لے آئے ہیں؟ جب انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لائل پور میں بھی ہماری جماعت کے ایسے نوجوان موجود ہیں جو ہر دکھی انسان کی خواہ وہ احمدی ہو یا غیر احمدی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں تو اس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ان خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار خدام بھائیوں کو اپنے فضلوں سے نوازے اور ان کی مساعی میں برکت دے۔

(نائب مہتمم اشاعت خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

تعزیت

نہایت افسوس کے ساتھ تحریر ہے کہ مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب علاقائی قائد مجالس لاہور ڈویژن کی والدہ ماجدہ ۶۴/۷/۱۷ کو اچانک وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ حضرت مسیح موعودؑ کے قدیمی و مخلص صحابی کی صاحبزادی اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ نیک سیرت اور گوناگوں خوبیوں کی حامل تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

نوٹ:۔ خدام الاحمدیہ لاہور نے اس ضمن میں تعزیتی قرارداد منظور کر کے اس کی نقل خالد کو بھی ارسال کی ہے (ادارہ)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب آریہ دھرم میں فرماتے ہیں:

"اُس کریم و رحیم خُدا کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے قرآنِ مجید جیسی پاک کتاب بھیج کر اور جناب خاتم الانبیاء سیّد الاوّلین و الآخرین کو دُنیا کی اصلاح کے لئے مبعُوث فرما کر وحشی انسانوں کو پھر نئے سر سے انسانیت سکھائی اور کروڑہا دِلوں کو ایمان اور عملِ صالح سے منوّر کیا۔"